تاریخ الامت

علامہ اسلم جیراجپوری

جلد اول

(سیرت الرسول)

میزان پبلیکیشنز لمیٹڈ

۲۷۔بی۔شاہ عالم مارکیٹ۔لاہور

قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ

باسمہٖ تعالیٰ

تاریخ الامّت

جلد اوّل

(دوسرا ایڈیشن)

سیرت الرسولؐ

علامہ اسلم جیراجپوری

شائع کردہ:- ادارہ طلوع اسلام ۲۵ — بی گلبرگ لاہور

ملنے کا پتہ:- میزان پبلیکیشنز لمیٹڈ ۲۷ — بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

تعارف

قوموں کی زندگی میں تاریخ کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی تفصیل کی محتاج
نہیں۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں، جو حیثیت ایک فرد کی زندگی میں حافظہ کی ہے
وہی حیثیت ایک قوم کی زندگی میں اس کی تاریخ کی ہے۔ اگر کسی فرد کا حافظہ گم
ہو جائے تو اس کی ساری سابقہ شخصیت گم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی قوم کی
تاریخ جاتی رہے تو اس قوم کا رشتہ اس کے ماضی سے یکسر منقطع ہو جاتا ہے۔ لیکن
جہاں تاریخ کو اس قدر اہمیت حاصل ہے وہاں اس چیز کو بھی اتنی ہی اہمیت حاصل
ہے کہ تاریخ حقائق پر مبنی ہو نہ کہ افسانوں پر۔ اور اس میں تاریخ نگار کے ذاتی
رجحانات و تعصبات کو کوئی دخل نہ ہو۔ ہمارے ہاں اگرچہ مسلمانوں کی تاریخ کی
بہت سی کتابیں رائج ہیں لیکن جس تاریخ کے متعلق اعتماد سے کہا جا سکتا ہے کہ
وہ مذکورہ صدر خصوصیات کی حامل ہے وہ علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کی تاریخ الامت
ہے۔ یہ تاریخ مختصر ہے لیکن اس کے باوجود دور دراز تک شہرت حاصل کر چکی
ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے یہ متعدد درسگاہوں میں بطور نصاب پڑھائی جاتی تھی لیکن

تقسیم کے بعد، پاکستان میں یہ نایاب ہو چکی تھی۔ اب ادارہ طلوع اسلام اس تاریخ کو علامہ ممدوح کی اجازت کے بعد، پاکستان میں شائع کرنے کا فخر حاصل کر رہا ہے۔ یہ کتاب آٹھ جلدوں میں ہے جس کی پہلی جلد پیش خدمت ہے۔ اس جلد کا پہلا ایڈیشن دیر سے ختم تھا۔ اب اُسے دوسری بار شائع کیا جا رہا ہے۔ باقی جلدیں بھی شائع ہو چکی ہیں اور ان کی افادیت کے پیش نظر یہ سلسلۂ اشاعت جاری رہیگا۔

وبیدہ التوفیق۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام
۲۵۔ بی۔ گلبرگ لاہور

فہرست مضامین

تاریخ الامت حصہ اول

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
تعارف	۲	اہل عرب	۲۰
دیباچہ	۹	قحطان	۲۱
تمہید	۱۱	عدنان	۲۳
مقدمہ (فن تاریخ)	۱۴	بنی حنیفہ اور عجل	"
تاریخ کی ضرورت	"	حضروی اور بدوی	۲۵
تاریخ کا فائدہ	۱۵	تجارت	"
درس تاریخ	۱۶	صنعت وحرفت	۲۶
اسلامی تاریخ کی خصوصیت	۱۷	عربی کتبہ	"
تاریخ اسلام کا مفہوم	۱۸	عرب جاہلیت کا نظام سیاسی	۳۰
جزیرہ نمائے عرب	"	ملوک یمن	"

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
ملوک حیرہ	۳۴	طب	۵۲
ملوک شام	۳۷	قیافہ	۵۳
امارت حجاز	۳۸	صنعت	〃
حکومت قبائل	۴۱	ادیانِ عرب	۵۴
مجامع	۴۲	مشرکین	〃
عرب کے قومی اخلاق	۴۴	یہود	۵۸
کرم و مہمان نوازی	〃	نصاریٰ	〃
وفاءِ عہد	〃	موحدین	۵۹
شجاعت	۴۷	کاہن	〃
قماربازی	〃	شجرہ قریش	〃
شراب خوری	۴۸	ولادت محمدؐ	۶۲
عربی زبان	〃	تاریخ ولادت	〃
علوم عرب	۵۰	رضاعت	۶۳
کتابت	〃	آمنہ کی وفات	۶۳
شاعری	۵۱	وفات عبدالمطلب	۶۴
نجوم	۵۲	سفر شام	〃

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۲	سفرِ طائف	۶۴	حرب فجار
۸۳	اہل یثرب	۶۵	حلف فضول
۸۵	بیعت عقبہ اولیٰ	"	عقد نکاح
"	بیعت عقبہ ثانیہ	۶۶	تجدید کعبہ
۸۸	مشورۂ قتل	۶۷	حجر اسود
۹۰	ہجرت	"	حالات قبل نبوت
۹۲	تعلیمات مکیہ	۶۹	بعثت
۹۳	توحید	"	وحی
۹۹	نبوت	۷۱	ابتدائے وحی
۱۰۰	روز جزا	۷۲	تاریخ نزول وحی
۱۰۱	اخلاق حسنہ	۷۳	آغاز تبلیغ
"	عبادات	۷۴	اعلان دعوت
۱۰۲	معراج	"	کفار قریش
۱۰۶	قانون اساسی	۷۹	ہجرتِ حبشہ
۱۰۷	قیامِ مدینہ	۸۱	قطع تعلق
۱۱۰	دشمنوں کا مقابلہ	۸۲	وفات ابوطالب وخدیجہؓ

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
غزوۂ بدر	۱۱۵	خیبر	۱۶۶
غزوۂ سویق	۱۲۵	فدک	۱۶۸
بنی قینقاع	۱۲۶	عمرۂ حدیبیہ	〃
کعب بن اشرف	۱۲۷	سریہ موتہ	〃
جنگِ اُحد	۱۲۹	فتح مکہ	۱۷۰
واقعہ رجیع	۱۴۱	جنگ حنین	۱۷۷
بئر معونہ	۱۴۳	غزوۂ تبوک	۱۸۲
بنی نضیر	۱۴۴	حج اکبر	۱۸۳
ذات الرقاع	۱۴۶	حجۃ الوداع	۱۸۴
بدر دوم	〃	ختم قرآن	۱۸۶
غزوۂ خندق	۱۴۷	دعوتِ اسلام اور اسکے نتائج	۱۸۷
بنی قریظہ	۱۵۵	وفود	۱۸۹
بنی لحیان	۱۵۶	مراسلات	۱۹۴
ذی قرد	〃	تعلیمات مدینہ	۱۹۷
بنی مصطلق	۱۵۷	آیتِ قتال	〃
واقعہ حدیبیہ	۱۵۸	عہد و پیمان	۲۰۲

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
اسیرانِ جنگ	۲۰۴	فصاحت وبلاغت	۲۱۹
غلامی	"	حلم	۲۲۰
عبادات	۲۰۶	کرم	۲۲۱
نظام اجتماعی	۲۰۷	شجاعت	"
اخوت ومساوات	"	حیا	۲۲۲
احترام حقوق	۲۰۸	حسن معاشرت	"
فریضہ لیہ	۲۱۰	رافت ورحمت	۲۲۳
معاشرت خانگی	۲۱۲	وفاءِ عہد	۲۲۵
وراثت	۲۱۵	پاسِ مروت	"
معاملات	"	تواضع	۲۲۶
آداب	۲۱۶	راستی	"
قصاص	۲۱۷	وقار	۲۲۷
حدود	"	بیت نبویؐ	۲۲۹
صفات واخلاق نبویؐ	۲۱۸	وفات	۲۳۵
لطافتِ جسم	۲۱۹	٭ ٭ ٭	

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدِنِ الْمَبْعُوْثِ اِلٰی کَافَّةِ النَّاسِ مِنَ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ وَعَلٰی اُمَّتِهِ الَّتِیْ هِیَ خَیْرُ الْاُمَمِ۔

امابعد۔ مسلمانوں کو اگرچہ فن تاریخ سے دنیا کی دوسری قوموں کی بہ نسبت ہمیشہ سے زیادہ شغف رہا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ اردو زبان میں اب تک اسلام کی کوئی تاریخ اس فن کے اصول کے مطابق نہیں مرتب ہوئی۔ بعض بعض کتابیں جو لکھی گئی ہیں ان میں سطحی اور بیشتر غیر ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں جو طلبائے تاریخ کے لئے زیادہ مفید نہیں۔

اسی کمی اور اسی ضرورت کو محسوس کر کے میں نے "تاریخ الامت" لکھنی شروع کی۔ جس کا یہ پہلا حصہ اب شائع کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ مسلمان طلبا بھی اس

کے پڑھنے سے صحیح تاریخی ذوق بڑھے گا۔ عام اہلِ اسلام کے لئے بھی اس کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہ رہے گا۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللہ ۔

محمد اسلم جیراجپوری
جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ دہلی

تمہید

(۱) اسلام اور خاص کر اوائل اسلام کے حالات میں ہمارے قدمار کی اس قدر مفصّل اور مبسوط تصنیفیں موجود ہیں کہ ان سے اس زمانہ کی تاریخ کا مرتب کر لینا آسان کام ہے۔ لیکن جو دشواری ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے صرف واقعات کو سلسلہ وار جمع کر دیا ہے۔ نہ اس کے اسباب سے تعرض کیا ہے نہ اس کی نسبت رائیں لکھی ہیں اور اس زمانہ میں یہی چیزیں تاریخ کی روح سمجھی جاتی ہیں۔

میں نے جس وقت اس کتاب کو لکھنے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ قدیمی تاریخوں سے کاربراری مشکل ہے۔ اس لئے جدید تصنیفات پر نظر دوڑائی ان پر علامہ شیخ محمد الخضری استاد تاریخ اسلام جامعہ مصریہ کی تاریخ الامم الاسلامیہ مجھے ملی جس سے وہ مشکل آسان ہو گئی۔ کیونکہ شیخ موصوف نے اس کتاب کو تحقیق کے ساتھ لکھا ہے۔ اور موجودہ اصولِ تاریخ نویسی کے مطابق مرتب کیا ہے۔ یہ دراصل ان کے ان دروس کا مجموعہ ہے جو انھوں نے طلبائے جامعہ مصریہ کو پڑھائے۔

میں نے بیشتر اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا۔ لیکن دوسری اسلامی تاریخیں بھی سامنے رکھیں۔

(۲) پڑھنے والوں کو تشویش سے بچانے کی خاطر مختلف اقوال لکھنے سے احتراز کیا اور بحث اور مناظرے کا دروازہ نہیں کھولا۔ بلکہ جو تحقیقی بات تھی وہی ثبت کردی۔ اور اختصار کی غرض سے واقعات صرف وہی منتخب کئے جن سے تاریخی سلسلہ کا ربط قائم رہتا ہے۔ زبان میں بھی سلاست کا لحاظ رکھا تاکہ ہر طبقہ کے لوگ آسانی سے سمجھ سکیں۔

(۳) ہندوستان کے بہت سے مسلمان بھی دوسری قوموں کی طرح اپنے پیشوایانِ مذہب کے ساتھ عقیدت مندی میں غلو کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان سے کسی قسم کی غلطی کا ہونا محال تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ائمہ اور بزرگانِ دین کی سوانحعمریاں جو اس قسم کے معتقدوں نے لکھی ہیں تاریخی معیار سے دور جا پڑی ہیں۔ اگر اس قسم کے لوگ اپنے مذاق کی باتیں اس کتاب میں نہ پائیں تو ہم کو ملامت نہ کریں۔ کیونکہ ہمارے بیان کی بنیاد علم پر ہے نہ کہ محض عقیدت پر۔ ہم نے فرشتوں کی یہ تاریخ نہیں لکھی ہے بلکہ انسانوں کی لکھی ہے۔ اور کسی انسان کی بزرگی کے لئے ہمارے نزدیک یہی امر کافی ہے کہ وہ صاحب تقویٰ ہو اور اس سے غلطیاں کم ہوئی ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ انبیاء اور ملائکہ کی طرح معصوم بھی ہو۔

یہ بھی ظاہر کردینا ضروری ہے کہ تاریخی حیثیت سے ہم کسی شخص کی صرف اس فضیلت کو لکھ سکتے ہیں جس کا واقعات سے ثبوت ملے۔ محض مذہبی روایات جو کسی کی فضیلت میں وارد ہوں۔ ان کے بیان کرنے کا حق ہم کو نہیں ہے۔ وہ مذکروں اور واعظوں کا حصہ ہے

نیز بعض اسلامی فرقوں نے بعض تاریخی واقعات پر مذہبی رنگ چڑھا رکھا ہے ہم ان واقعات کو محض تاریخی حیثیت سے لکھیں گے۔

اسی طرح سلف میں سے بعض اہلِ علم نے لکھا ہے کہ مشاجراتِ صحابہ کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ عقیدت مندی کے لحاظ سے ان کا یہ قول درست ہو لیکن ہمارا مقصود محض فضائل و مناقب کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ تاریخی واقعات اور حقائق کا بیان کرنا ہے تاکہ ان سے عبرت حاصل کی جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی انھیں باہمی نزاعوں سے امت کو بہت کچھ سبق ملتے ہیں۔ پھر ہم ان کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ ہاں بحیثیت تاریخ نگار کے ہمارا یہ فرض ہے کہ جو کچھ لکھیں بے تعصبی سے لکھیں تاکہ ہماری سعی امت کے لئے اور اللہ کے نزدیک مقبول ہو۔ چنانچہ اس ذمہ داری کا ہم کو برابر احساس ہے اور ہم نے اشخاص کے اعمال کے بجا یا بے جا ہونے کا فیصلہ بلا طرف داری صرف حق اور انصاف پر رکھا۔

مقدمہ

فنِ تاریخ

تاریخ کی حقیقت اہل زمانہ کے واقعات اور حالات کے بیان کو تاریخ کہتے ہیں۔ اس عام تعریف میں ہر شخص کے حالات اور ہر قسم کے واقعات داخل ہیں۔ اور اصلیت یہ ہے کہ فن تاریخ کی جو غرض ہے یعنی عبرت اور تجربہ۔ وہ ہر شخص کی زندگی کے سوانح سے کچھ نہ کچھ ہم حاصل کر سکتے ہیں لیکن چونکہ عہدِ سابق میں بادشاہوں کی لڑائیوں کی داستانیں اور انہی کے واقعات کے افسانے بیان کئے جاتے تھے۔ اس وجہ سے تاریخ کا زیادہ تر تعلق سلاطین اور امورِ سلطنت کے ساتھ ہو گیا۔ پھر امراء، علماء، حکماء اور دوسرے طبقات کے بڑے لوگوں نے جس قدر اپنی اہمیت دنیا پر ظاہر کی اسی قدر تاریخ میں ان کو بھی حصہ ملتا تھا اور اب تو اشخاص اور افراد سے گذر کر علوم و فنون بلکہ دنیا کی ہر چیز کی جداگانہ تاریخ لکھی جاتی ہے اور اس فن کے رقبہ کی وسعت تمام موجوداتِ عالم پر حاوی ہو گئی ہے۔

تاریخ کی ضرورت انسان کی زندگی میں اس قدر مختلف شاہراہیں پیش آتی

پہنچ سکتا۔ اس لیے گذشتہ ناموروں کے واقعات اور حالات یاد رکھے جاتے ہیں کہ ان سے تجربہ حاصل کر کے ہم اپنی زندگی میں کام لیں۔ انھوں نے جو غلطیاں کی ہیں ان سے بچیں تاکہ وہ برے نتیجے ہم کو نہ بھگتنے پڑیں جو انھوں نے بھگتے اور جو عمدہ کام کئے اور ان سے فائدے اٹھائے ہم بھی ان اعمال سے نفع حاصل کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جو آدمی جس قدر ناموری پیدا کرنا چاہتا ہے تاریخ کا مطالعہ اسی قدر اس کے لئے ناگزیر ہے کیونکہ اس کو لازم ہے کہ وہ ان لوگوں کے حالات پڑھے جو دنیا میں بڑے بڑے کارنامے چھوڑ گئے ہیں۔ ان کی کوشش، ہمت اور جرأت کو دیکھے اور ان کی مصیبتوں اور تکلیفوں کو جو انھیں اپنے مقاصد کی تکمیل میں برداشت کرنی پڑیں پیش نظر رکھ کر خود اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں میں نہ گھبرائے اور صبر و ثبات کے ساتھ کوشش میں لگا رہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ ٱلرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِۦ فُؤَادَكَ

اور ہم تم کو رسولوں کی وہ تمام خبریں سناتے ہیں جو تمہارے دل کو مضبوط کریں

تاریخ کا فائدہ

انسانی زندگی نہایت محدود ہے۔ تاریخ ہی ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعے سے انسان اپنی زندگی کی کڑیاں زمانہ گذشتہ سے ملا سکتا ہے ہزارہا سال کے واقعات اس کی نگاہوں کے سامنے آ جاتے ہیں اور مختلف زمانوں، اور مختلف طبقوں کے لوگوں سے وہ معنوی طور پر ملاقات کرتا ہے۔ ان کی باتیں

منتہی ہے اور ان کے حالات دیکھتا ہے۔ اس طرح پر یہ فن انسانی عمر کو علم اور تجربہ کے لحاظ سے بڑھا دیتا ہے۔

علاوہ بریں شخصی زندگی نام ہے اس تسلسل واقعات کا جو ہر شخص کے دماغ میں محفوظ ہے اور اس کے ماضی کو حال اور استقبال سے ملاتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح قومی زندگی کے واقعات کے سلسلہ کو تاریخ محفوظ رکھتی ہے۔ اس لحاظ سے فن تاریخ گویا قوم کی قوتِ حافظہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے قومی زندگی کا تسلسل اور خلف کا سلف کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے۔

درس تاریخ

تاریخ پڑھنے کے لئے سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی ہے کہ تعصب اور طرفداری کو چھوڑ کر اس کا مطالعہ کیا جائے۔ کیونکہ محبت یا عداوت کے جذبات صحیح رائے قائم نہیں کرنے دیتے۔ دو شخصوں سے بعینہٖ ایک فعل صادر ہوتا ہے۔ لیکن تعصب کی وجہ سے انسان اس کی مختلف تاویلیں کر دیتا ہے۔ مثلاً ایک دولت مند جس سے ہم کو محبت ہے جب کسی غریب کو کچھ دیتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ شخص بہت فیاض اور غریب پرور ہے لیکن ایک دوسرا مالدار جس کو ہم بُرا سمجھتے ہیں جب کسی فقیر کو کچھ بخشتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ریاکار ہے محض دکھانے کے لئے دیتا ہے۔

الغرض تاریخ کے طالب العلم کو تعصب سے قطعاً الگ رہنا چاہیئے۔ ورنہ اس فن کا فائدہ اس کو نہیں حاصل ہو سکے گا۔ واقعات کو اسی حیثیت سے دیکھنا چاہیئے

جس حیثیت سے وہ واقع ہوئے ہیں نہ کہ اس طرح جس طرح پر ہم چاہتے ہیں۔

یہ سوچ لینا چاہیئے کہ ہم ان لوگوں کی تاریخ پڑھ رہے ہیں جو گزر گئے، اگر انھوں نے کوئی غلطی کی ہے تو اس کے ذمہ دار وہی لوگ ہیں ہم نہیں ہیں اور اگر ان میں کوئی خوبی تھی تو ہم کو اس کا کچھ نفع نہیں پہنچ سکتا۔ تاوقتیکہ ہم خود اپنے اندر بھی وہی خوبی نہ پیدا کرلیں۔ قرآن میں ہے۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔

یہ ایک امت تھی جو گزر گئی۔ ان کی کمائی ان کے لئے ہے اور تمہاری کمائی تمہارے لئے ہے۔ تم سے ان کے اعمال کی پرسش نہ ہوگی۔

اسلامی تاریخ کی خصوصیت

تمام اقوام عالم کی تواریخ میں اسلامی تاریخ کو جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اہل اسلام نے ابتدا سے اپنی تاریخ محفوظ رکھی ہے اور اس طرح پر محفوظ رکھی ہے کہ واقعات کی روایات کے سلسلہ میں اسناد کو کہیں نہیں چھوڑا چونکہ دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں یہ بات نہیں پائی جاتی اس لئے تمام اقوام کی تاریخ بے ثبوت قرار پاتی ہے اور صرف امت اسلام کی تاریخ قابلِ اعتبار ٹھہرتی ہے۔

قدیم مورخینِ اسلام نے جس قدر تاریخیں لکھی ہیں ان میں بہ سلسلہ سند واقعات

اور حالات جمع کر دیئے ہیں اور یہی اس زمانہ میں تاریخ کا معیار تھا۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ واقعات کے متعلق اپنے خیالات کو ظاہر نہیں کرتے تھے اور پڑھنے والے کو اپنی رائے کا غلام نہیں بنانا چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ تاریخی بیان میں استعارہ اور تشبیہ کو بھی ناجائز سمجھتے تھے کیونکہ ان سے واقعات کی رنگ آمیزی ہوتی ہے حقیقت کا اظہار نہیں ہوتا۔

ہر چند کہ اصولاً اور انصافاً یہ طریقہ پسندیدہ تھا لیکن اب زمانہ بدل گیا لوگ مؤرخ کی رائے کو بھی ضروری سمجھنے لگے اس لیے خود مسلمان بھی اپنی روش بدلنے پر مجبور ہو گئے۔

تاریخ اسلام کا مفہوم تاریخ اسلام سے اس امت کی تاریخ مراد لی جاتی ہے جس کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کے آخر میں ملک عرب سے ظہور فرمایا اور دینِ اسلام کی تعلیم دی۔ ان کے عہد سے لے کر آج تک اس امت کے تمام کارنامے اسلامی تاریخ کا سرمایہ ہیں۔

چونکہ تاریخ اسلام کا آغاز ملک عرب سے ہوتا ہے اس لئے پہلے اس ملک کا مختصر حال بیان کر دینا بھی ضروری ہے۔

جزیرہ نمائے عرب

اہلِ عرب جس قطعۂ زمین پر آباد ہیں وہ بحر احمر۔ بحر ہند۔ خلیج عمان اور دریائے فرات سے اس طرح پر پانی سے گھرا ہوا ہے کہ ایک جزیرہ نما معلوم ہوتا ہے۔ طبعی لحاظ سے

اس ملک کے پانچ حصے ہیں۔

تہامہ۔ وہ حصہ ہے جو قلزم کے سواحل سے کوہ سراۃ تک واقع ہے۔

حجاز۔ سراۃ کے کوہستانی سلسلے کو کہتے ہیں جو یمن سے شروع ہو کر شام تک چلا گیا ہے اور جس کا عرض تقریباً سو میل ہے۔

نجد۔ اسی کوہستان کے شرقی حصے کو کہتے ہیں جو یمن سے شروع ہو کر سماوہ اور عراق تک پہنچتا ہے۔

یمن۔ وہ قطعہ ہے جو نجد کے جنوب سے بحرِ ہند کے ساحل تک اور مشرق میں حضر موت اور عمان تک پھیلا ہوا ہے۔

عروض۔ بلاد یمامہ اور بحرین وغیرہ کو کہتے ہیں۔

عرب میں بارشیں بہت کم ہوتی ہے وہاں کی زمین بیشتر ریگستانی ہے پہاڑ بھی بہت ہیں جو سیاہی مائل ہیں اور کسی قسم کی روئیدگی ان میں نہیں ہے۔ انھیں میں سے جابجا پانی کے چشمے نکلتے ہیں جن کی وجہ سے کہیں کہیں سرسبزی نظر آجاتی ہے ایسے ہی مقامات پر لوگ آباد ہو گئے اور اس ملک کا زیادہ تر حصہ پانی سے خالی اور غیر آباد ہے۔

یہ چشمے جو پہاڑوں سے نکلتے ہیں ان کا پانی بھی آگے بڑھ کر ریگستانوں میں جذب ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔ باشندے اس کو جمع رکھنے کے لئے موقع موقع سے تالاب کھود دیتے ہیں جن کو روضہ کہتے ہیں لیکن اکثر یہ بھی خشک ہو جاتے ہیں۔ اس لئے تمام ملک میں پانی کی قلت رہتی ہے اور جب کبھی بارش نہیں ہوتی تو بہت سختی گذر جاتی

ہے۔

یمن کا خطہ نسبتاً سرسبز ہے۔ اس میں نخلستان ہیں اور کھیتیاں بھی ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے بخلاف عرب کے دوسرے حصوں کے اس میں شہر زیادہ آباد ہیں۔

سرزمین نجد میں سے عرب کا سب سے بڑا چشمہ دھنا گزرتا ہے اس کے علاوہ بعض اور چشمے بھی ہیں لیکن ان سے نفع اٹھانے کی صورت بہت کم ہے اور سوائے چند وادیوں کے تمام قطعہ بے آب وگیاہ نظر آتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بادیہ نشین عرب اکثر ایک جگہ نہیں رہ سکتے اور چارہ اور پانی کی تلاش میں جابجا سفر کرتے رہتے ہیں اسی دائمی سفر کی وجہ سے ان میں جفاکشی اور چستی کی عادت رہتی ہے۔

بوجہ عدم روئیدگی اور پیداوار کے ان کی معیشت کا زیادہ تر دارومدار اونٹوں پر ہے اسی کے دودھ اور گوشت سے ان کی پرورش ہوتی ہے اسی کے اون سے ان کے خیمے اور لباس بنتے ہیں اور اسی کی پشت پر مع اہل وعیال کے وہ سفر کرتے رہتے ہیں۔

اہلِ عرب

ملک عرب کے باشندے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ تین طبقوں میں منقسم ہیں۔

(۱) **عرب بائدہ**۔ یعنی قدماء عرب جو پہلے اس ملک میں آباد تھے اور پھر مٹ گئے ان کے متعدد قبیلے تھے۔ عاد۔ ثمود۔ عمالقہ۔ طسم۔ جدیس۔ امیم، جرہم اور حضرموت وغیرہ۔

ان لوگوں نے عراق سے لے کر شام اور مصر تک سلطنتیں قائم کی تھیں۔ بابل اور اشور کی حکومت اور قدیمی تمدن کے بانی یہی لوگ تھے۔ ان کے مفصل حالات اگرچہ تاریخوں میں نہیں ہیں لیکن اب بابل۔ مصر۔ یمن اور عراق کے آثار قدیمہ سے اکتشافات ہو رہے ہیں اور کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔

(۲) **عرب عاربہ یعنی قحطان** جو یمن کے باشندے ہیں۔

(۳) **عرب مستعربہ یعنی عدنان** جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

ان دونوں طبقوں کا حال ہم مختصراً لکھتے ہیں۔

قحطان

ان کا اصلی گہوارہ ہے یمن۔ ان کے مشہور قبیلے حمیرؔ۔ کہلانؔ اور ازد ہیں۔ حمیر کی تین شاخیں مشہور ہیں۔ قضاعہ۔ سکاسک اور زید جمہور۔ کہلان کی سات شاخیں ہیں۔ ہمدانؔ۔ انمار۔ طے۔ مذحج۔ لخم۔ جذام کندہ اور ازد کی بہت سی شاخیں ہیں۔ انھیں قبیلوں سے ملوک تبابعہ ہیں۔ اور یہیں کے شہر سبا کی ملکہ حضرت بلقیس تھیں۔

ان لوگوں نے ملک کی آبادی کے لئے چشموں میں جا بجا بند باندھ کر ان کا پانی محفوظ کیا تھا۔ جس وقت چاہتے تھے اپنے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کر لیتے

تھے اور پھر بند کر دیتے تھے۔ ان میں سب سے بڑا بند شہر آرب کا تھا۔ یہ تین پہاڑوں کے درمیان واقع تھا۔ جہاں بہت سے چشموں کا پانی آکر جمع ہوتا تھا۔

ایک مدت کے بعد پانی کے زور سے یہ بند کمزور ہو کر ٹوٹ گیا جس سے یمن میں ایک بڑا سیلاب آگیا جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے۔ اس تباہی کی وجہ سے وہاں کے اکثر خاندان نکل کر عرب کے مختلف مقامات میں جاکر آباد ہوئے۔

ازد میں سے ثعلبہ اپنے قبیلہ کے ساتھ مدینہ کی طرف آیا۔ یہاں جو چند خاندان بنی اسرائیل کے رہتے تھے ان کو مغلوب کر لیا۔ قلعے بنائے اور نخلستان لگائے اسی کی اولاد میں سے اوس اور خزرج مدینے کے دونوں قبیلے تھے۔

ازد کا دوسرا شخص حارثہ بن عمر جو خزاعہ کے نام سے مشہور ہے حرم کی طرف آیا اس نے مکہ پر قبضہ کر کے بنی جرہم کو وہاں سے نکال دیا۔

ازد میں سے نصر تہامہ میں آباد ہوا اس کی اولاد کے متعدد قبیلے ہوئے جو ازد شنوءہ کہے جاتے تھے۔

عمرو ازدی کا ایک بیٹا عمران عمان کی طرف گیا اور وہیں وطن بنا لیا۔ اس کی اولاد ازد عمان کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کا دوسرا بیٹا جفنہ شام کی سرحد کی طرف چلا گیا۔ وہاں اس نے سرحدی قبائل پر اپنی حکومت قائم کر لی جو عرصہ دراز تک اس کے خاندان میں رہی۔ یہ لوگ ملوک غسانیہ بولے جاتے تھے کیونکہ ان کی سکونت پہلے ایک چشمہ پر تھی جس کا نام غسان تھا۔

کہلان میں سے لخم کا قبیلہ عراق میں آگیا۔ انھیں میں سے ملوک حیرہ ہوئے۔ طے کے لوگ مدینہ کے شمال مشرق میں آکر بسے اور یہ قضاعہ کی ایک شاخ بنی۔

کلب نجد کے شمالی سرحد پر آباد ہوئے۔ حمیر۔ کندہ۔ مذحج وغیرہ قبائل یمن ہی میں رہے۔

عدنان عدنان کا اصلی وطن مکہ ہے۔ ان کے بیٹے کا نام معد اور پوتے کا نام نزار تھا۔ اسی وجہ سے عدنانی قبائل معدی اور نزاری بھی پکارے جاتے ہیں ان کے مشہور قبیلے ایاد، ربیعہ اور مضر ہیں۔

ربیعہ کے قبائل بہت نامور ہوئے ہیں۔ تاریخ عرب میں ان کا بہت ذکر ہے شروع دعوت میں یہ لوگ مضر کے حریف تھے۔ زمانۂ اسلام میں خوارج زیادہ تر انھیں میں سے ہوئے ہیں۔ انھیں میں سے ایک قبیلہ عبدالقیس ہے جس کی دو شاخیں ہیں بکر اور تغلب پھر بکر کی دو شاخیں ہیں بنی حنیفہ اور عجل۔

مضر کے دو شعبے ہوئے قیس عیلان اور یاس۔ قیس عیلان میں سے بنی سلیم۔ بنی ہوازن اور بنی غطفان ہوئے۔ پھر بنی غطفان کی دو شاخیں بنی ذبیان اور بنی عبس ہیں۔

یاس کے مشہور قبیلے تمیم۔ ہذیل۔ اسد اور کنانہ ہیں۔ کنانہ میں سے فہر بن مالک ہوئے جن کو قریش بھی کہتے ہیں۔ قریش کی اولاد میں متعدد قبائل ہوئے جن میں

مشہور حسب ذیل ہیں.

بنی جمح۔ بنی مخزوم۔ بنی تمیم۔ بنی عدی۔ بنی زہرہ۔ بنی عبدالدار اور بنی عبد مناف۔

عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ عبدشمس۔ نوفل۔ مطلب اور ہاشم۔

ہاشم کی اولاد میں سے ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ہوئے۔

خلفائے عباسی حضرت عباس رضؓ بن عبدالمطلب اور علوی حضرت علیؓ بن ابی طالب بن عبدالمطلب کی اولاد ہیں۔

عبدشمس کے بیٹے امیہ تھے اور ان کی اولاد بنی امیہ کہی جاتی ہے۔

عدنانی قبائل خزاعہ سے مغلوب ہو کر جب مکہ چھوڑ کر نکلے تو مختلف مقامات میں پھیل گئے۔

بنی بکر بحرین میں آئے۔ یہ ایران کے زیر اثر ہو گئے۔ کسریٰ کے دربار کی نامزدگی سے اسی قبیلہ کا کوئی شخص ان کا سردار مقرر کر دیا جاتا تھا۔ ظہور اسلام کے زمانہ میں ان کا امیر منذر بن ساوی تھا۔ بنی حنیفہ یمامہ میں گئے اور اس کے صدر مقام حجر میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کا سردار آغاز اسلام میں ہودہ بن علی تھا۔ بنی تغلب، سواحل فرات پر، بنی تمیم اس جگہ جہاں بصرہ بسایا گیا۔ اور بنی سلیم مدینہ کے قریب دجوار میں آباد ہوئے بنی ہوازن میں سے ثقیف طائف میں رہے اور باقی مکہ کے مشرق میں بسے۔ بنی اسد کوفہ کے مغرب میں اور بنی ذبیان تیما سے حوران تک آباد ہو گئے۔ کنانی قبائل

نے تہامہ میں بود و باش اختیار کرلی۔ اور مکہ اور اس کے ارد گرد عدنانیوں میں سے صرف قبائل قریش رہ گئے۔ لیکن وہ متفرق تھے۔ جب ان میں قصی بن کلاب پیدا ہوئے تو انھوں نے سب کو مجتمع اور متحد کر کے مکہ سے بنی خزاعہ کو نکالا۔

حضری اور بدوی اہل عرب کی بلحاظ سکونت گاہ کے دو قسمیں ہیں شہری اور بدوی۔ یعنی بادیہ نشین جو آسمان کی چھت کے نیچے کھلے ہوئے وسیع بیابانوں میں جہاں چاہتے ہیں اپنے اونی اور چرمی خیمے لگا کر رہتے ہیں۔ ان کی غذا بالعموم اونٹ کا دودھ اور گوشت ہے۔ ان کی طبیعت میں سادگی، مزاج میں تندی اور گفتگو میں سختی ہوتی ہے۔

عرب میں بہت سے شہر تھے۔ خاص کر یمن میں زیادہ تھے۔ مثلاً مآرب اور صنعاء جن کی نسبت اہل یمن کا خیال ہے کہ روئے زمین کے قدیم ترین شہر ہیں۔ زبید۔ عدن صعدہ۔ مخا اور شبام وغیرہ۔

تہامہ میں مکہ۔ طائف۔ مدینہ اور خیبر۔ نجد میں حائل عروض میں ہجر اور بحرین میں قطیف۔

تجارت عرب میں متعدد مشہور بازار تھے جن میں خرید و فروخت کے لئے باشندے جمع ہوتے تھے۔ عراق اور ایران سے بھی کپڑے اور ضروری چیزیں لے کر تاجروں کے قافلے آیا کرتے تھے جن کی حفاظت عربی قبائل کے رؤسا کے ذمہ ہوتی تھی۔ قریش بھی ہر سال دو تجارتی سفر کرتے تھے۔ گرمیوں میں ملک شام میں ان

کے قافلے جاتے تھے اور جاڑوں میں یمن میں۔

اہل یمن حبش، ایران اور نیز ہندوستان سے تجارتی تعلقات رکھتے تھے وہاں متعدد بندرگاہ بھی تھے۔

صنعت و حرفت صنائع سے اہل عرب عام طور پر صرف بے بہرہ نہیں بلکہ متنفر تھے۔ یہاں تک کہ بادیہ نشین بھی ان پیشوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جریر اور فرزدق شاعر جو دونوں بنی تمیم میں سے تھے اور زندگی بھر ایک دوسرے کی ہجو کرتے رہے، ان کے اشعار کا دفتر دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جریر فرزدق کا بڑے سے بڑا عیب جو نکال سکا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے آباد اجداد میں سے کوئی شخص تلواروں کی صیقل گری کا پیشہ کرتا تھا۔

یمن میں چونکہ بعض لوگ دباغتِ چرم اور نوربافی کا پیشہ کرتے تھے۔ اس لئے اہل یمن عرب میں ذلیل سمجھے جاتے تھے۔ ہاں عورتیں تمام عرب میں بالعموم چرخہ کاتتی تھیں۔

تعمیر کا کام رومی اور ایرانی معماروں سے لیا جاتا تھا۔

عربی کنبہ وہ لوگ اہل عرب پر بڑا ستم کرتے ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ان کی نگاہ میں عورت کی عزت نہیں تھی۔ ان کے اشعار کے دفتر سے جو شہادت ملتی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کی عزت اور حرمت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ بڑے بڑے سرداران قبائل اور شعراء جب اپنے

کرم اور شجاعت کی مدح خوانی کرتے تھے جس سے کہ ملک میں ان کا نام روشن ہو تو وہ عورت ہی کو مخاطب کرتے تھے۔ عورت نے اگر فضول خرچی پر ملامت کی ہے تو قصیدہ میں نرم سے نرم اور لطیف سے لطیف پیرائے میں اس کا جواب دیتے تھے اور "ربّہ البیت" وغیرہ عورت کے لقب سے اس کو پکارتے تھے۔ اکثر نام کے بجائے اس کا ذکر کنیت کے ساتھ کرتے تھے۔ جو ان کے نزدیک تعظیم کی علامت تھی۔ وہ اپنے آپ کو اس فخر کے ساتھ اپنی ماؤں کی طرف بھی منسوب کرتے تھے جس فخر کے ساتھ اپنے باپوں کی طرف۔

عورت کا عربی قبائل میں یہ اثر بھی ان کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خفگی سے قبیلے لڑ بیٹھتے تھے۔ اور اس کی کوشش سے لڑائیاں بند ہو گئی ہیں۔

الغرض عرب کے اشعار سے بالعموم عورت کی اہانت اور تحقیر کی ذرا بھی بو نہیں آتی اور شعراء چونکہ اپنے زمانہ کی زبان ہوتے ہیں اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ عرب عورتوں کا احترام کرتے تھے۔ بیشک ان کے ہاں مردوں کو عورتوں پر عظمت اور فوقیت حاصل تھی۔

بالعموم مرد و عورت کا باہمی تعلق فریقین کے اولیاء کی رضامندی کے بعد بذریعہ عقد نکاح کے ہوتا تھا۔ عورت کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ خود اپنا نکاح کر لے۔ بیٹی بہن، پھوپھی اور خالہ وغیرہ کے ساتھ نکاح کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔

آوارہ گرد غرباء اور شوریدہ سر نوجوانوں میں نکاح کے بعض بعض اور بھی طریقے تھے لیکن جمہور عرب ان کو پسند نہیں کرتے تھے۔

تعدد ازدواج کا بھی ان میں دستور تھا اور اس کی کوئی خاص حد معین نہ تھی۔ چنانچہ حضرت غیلان ثقفی نے جس وقت اسلام قبول کیا ہے۔ اس وقت دس عورتیں ان کے نکاح میں تھیں۔

طلاق کا اختیار مرد کو ہوتا تھا۔ لیکن بعض شریف قبائل کی لڑکیاں نکاح کے وقت یہ شرط کر لیتی تھیں کہ طلاق ان کے ہاتھ میں ہوگی۔

لڑائیوں میں جو عورتیں مالِ غنیمت کے طور پر ملتی تھیں وہ بھی حلال سمجھی جاتی تھیں لیکن ان سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی وہ کنیز زادی کہلاتی تھی اس وجہ سے شرفاء عرب اپنی اولاد کو اس ننگ سے بچانے کے لئے ان سے احتراز کرتے تھے وہ اپنی اولاد پر جب اپنے احسان گناتے تھے تو سب سے پہلے یہ کہتے تھے کہ ہم نے تمہارے لئے آزاد مائیں تلاش کیں۔ بیٹوں کی پرورش نہایت الفت کے ساتھ کرتے تھے کہ دشمنوں کے مقابلہ میں وہ سپر بنیں اور قبیلہ کی عزت کی محافظت کریں۔ اس لئے اکثر درندوں کے نام سے ان کو پکارتے تھے۔ مثلاً اسد۔ نمر کلب اور ذئب وغیرہ۔

بیٹیوں کو بعض لوگ بے شک زندہ گاڑ دیتے تھے۔ لیکن یہ رسم تمام عرب میں نہ تھی بلکہ صرف تمیم کے چند ادنیٰ قبائل میں تھی جو ننگ و عار اور بیشتر محتاجی کے خوف سے ایسا کرتے تھے لیکن چونکہ یہ بات انسانی فطرت کے خلاف تھی اس لئے خود اشرافِ تمیم اس کو ناپسند کرتے تھے ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ ان نفرار کو جو بیٹیوں کو زندہ در گور کرنا چاہتے تھے مال دے کر خوش حال کر دیتے تھے کہ وہ انکی

پرورش کر سکیں۔ فرزدق شاعر کا دادا غالب بن صعصعہ اس کوشش میں خاص طور پر مشہور تھا۔

بھائی کی امداد کو فرض سمجھتے تھے خواہ حق پر ہو یا ناحق پر، قبیلہ کے ایک آدمی کا آواز لگا دینا لڑائی کے لئے کافی ہوتا تھا اور اگر اس میں کوئی پہلو تہی کرتا تو شعراء اس کی ایسی ہجو کرتے تھے کہ وہ اپنے رتبہ سے گر جاتا تھا۔

جن قبیلوں سے عہد ہو جاتا تھا ان کو حلیف کہتے تھے ان کے بھی ہر فرد کی مدد بمنزلہ اپنے اہلِ قبیلہ کے لازمی ہوتی تھی۔ یہ معاہدہ کبھی بذریعہ افراد کے ہوتا تھا اور کبھی رؤسا رِ قبائل کرتے تھے۔

لیکن باوجود اس کے کبھی کبھی ایک ہی قبیلہ کی دو شاخوں میں لڑائی ہو پڑتی تھی جس کے متعدد اسباب ہوتے تھے۔ مگر دو سبب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اوّل یہ کہ عرب کا مدارِ معیشت اونٹوں پر تھا جن کے لئے وہ چراگاہوں اور پانی کے چشموں کو بہت عزیز رکھتے تھے جہاں ان کے مویشی چریں اور پانی پئیں لیکن کوئی ایسا قانون ان کے ہاں موجود نہ تھا جس کی رو سے ان چشموں اور چراگاہوں پر کسی کا حق ملکیت مسلم ہو۔ اس لئے انھیں مقامات پر چرواہوں میں جھگڑے ہوتے تھے اور پھر وہ ان کے مالکین تک متعدی ہو جاتے تھے۔

مگر دو فریق کبھی کبھی ترکِ وطن کر کے دوسری جگہ چلا جاتا تھا۔ اس کی اولاد میں سلسلہ بہ سلسلہ وہ عداوت کے قصے منتقل ہوتے چلے آتے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان میں

خود یا حلیف قبائل کی مدد سے طاقت پیدا ہو جاتی تھی تو وہ اس آکر اپنے بزرگوں کا انتقام لیتا تھا۔

دوم تنازع ریاست یعنی کبھی کسی قبیلہ کا سردار مر جاتا اور اس کا بیٹا اس کا جانشین ہوتا۔ تو اس کے بنی اعمام مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جاتے اس طرح دونوں شاخوں میں باہم عداوت اور خصومت ہو جاتی جیسے مدینہ کے قبائل اوس اور خزرج میں تھی۔ انہیں اسباب سے ایک ہی باپ کی اولاد میں بڑی بڑی خونریز لڑائیاں ہو جاتی تھیں اور ملک میں کوئی ایسی طاقت موجود نہ تھی جو ان جھگڑوں کا فیصلہ کرتی۔ اس لئے عرصہ دراز تک ان خصومتوں کا سلسلہ باقی رہتا تھا۔ شعراء کی زبانیں دونوں طرف سے اس آگ پر اور تیل ڈالتی تھیں اور ہر ایک دوسرے کے معائب بیان کر کے ان کی تحقیر کی کوشش کرتا تھا۔

شعراء عرب کے مجموعۂ اشعار پر نظر ڈالنے سے اہل عرب میں زیادہ تر عیب ہی عیب نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ جن قبائل کی شرافت عام طور پر مسلّم تھی وہ بھی ان گمراہوں کی زبان سے بے داغ نہیں بچے ہیں۔

چونکہ اس کی عداوتیں اکثر قبیلوں میں رہتی تھیں اس وجہ سے ان میں باہمی لڑائی کے لئے کسی قوی سبب کی ضرورت نہیں پڑتی تھی بلکہ تھوڑی سی تحریک پر بہت سے بچے یتیم اور بہت سی عورتیں بیوہ ہو جاتی تھیں۔

عربِ جاہلیت کا نظامِ سیاسی

عرب میں دو قسم کے صنادید تھے۔ ایک شاہانِ تاجدار جو بالاستقلال یا کسی شہنشاہ کے زیر اثر حکومت رکھتے تھے۔ دوسرے رؤسا قبائل جو اپنے اپنے قبیلوں کے لیڈر مانے جاتے تھے۔ یہ لوگ بھی کبھی کبھی خود مختار اور کبھی کسی تاجدار کے ماتحت ہوتے تھے۔

شاہانِ تاجدار میں سے یمن، حیرہ اور سرحد شام کے ملوک خاص طور پر شہرت رکھتے تھے

ملوکِ یمن

سرزمین یمن میں تحطانی قبائل کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہر ایک قبیلہ جس قدر حصۂ زمین پر تسلط رکھتا تھا اس کو مخلاف کہتے تھے۔ ان مخلافوں کی کل تعداد ۸۴ تھی۔

کبھی کبھی ایک مخلاف کا رئیس اپنی طاقت بڑھا کر دوسرے مخلاف پر بھی غالب ہو جاتا تھا۔ جب اس کا دائرہ حکومت زیادہ وسیع ہو جاتا تھا تو اس کو ملک کہنے لگتے تھے وہاں اسی قسم کے دو شاہی خاندان معینی اور سبائی نہایت نامور گذرے ہیں۔ سبائی خاندان کی ملکہ بلقیس کا ذکر توریت اور نیز اشارتاً قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔

سب سے بڑا مخلاف صنعاء کا تھا وہاں کے رؤسا ملوک کہے جاتے تھے ان میں سے یوسف ذونواس بہت مشہور ہے۔ اس نے موسوی دین اختیار کر لیا تھا۔

صنعاء میں ۳۴۳ء سے عیسائی مبلغین سلطنت روم کی طرف سے آنے شروع ہو گئے تھے۔ ایک زمانے کے بعد ان کی کوشش سے ذونواس کی رعایا میں سے بعض لوگ جو نجران کے باشندے تھے عیسائی ہو گئے۔ ذونواس نے ان پر یہاں تک سختی کی کہ ان کو آگ میں جلا دیا۔

یہ واقعہ ۵۲۳ء میں ہوا اس کی خبر جب قیصر جوستین کو پہنچی تو اس نے حبشہ کے بادشاہ کو جس کا لقب نجاشی تھا اور جو خود عیسائی اور رومی حکومت کے زیر اثر تھا یہ حکم بھیجا کہ وہ ذونواس سے اس کا بدلہ لے نجاشی نے اس کے حکم کے مطابق ایک حبشی سردار اریاط کو فوج دے کر روانہ کیا اس نے آکر صنعاء پر قبضہ کر لیا۔ ذونواس نے ناموس کے خیال سے سمندر میں ڈوب کر خودکشی کر لی۔

اریاط وہاں ایک عرصے تک رہا لیکن اسی کی فوج کے ایک امیر ابرہہ نامی نے اس کو قتل کر ڈالا اور شاہ نجاشی کو راضی کر کے صنعاء کی حکومت کا فرمان حاصل کر لیا۔

اسی ابرہہ نے صنعاء میں ایک کنیسہ تعمیر کیا اور یہ چاہا کہ اہل عرب بجائے کعبہ کے اسی گھر کا آ کر حج اور طواف کریں۔ مطلب یہ تھا کہ اس سے ان کا رجحان عیسائیت کی طرف ہو جائے گا اور رفتہ رفتہ آسانی کے ساتھ اس مذہب کو قبول کر لیں گے۔

چنانچہ اس نے تمام قبائلِ عرب کو صنعاء میں حج کے لئے بلایا۔ بعض کمزور اور ماتحت قبیلے وہاں آنے بھی لگے۔ لیکن بالعموم اہلِ عرب جو ہزارہا سال سے کعبۂ ابراہیمی یعنی بیت اللہ کا طواف اور حج کرتے تھے اور ان کے دلوں میں اس کا بے حد احترام اور تقدس تھا یہاں آنے پر رضامند نہ ہوئے اس لئے ابرہہ ایک جرار لشکر لے کر ہاتھی پر سوار ہو کر خود مکہ کی طرف چلا کہ کعبہ کو منہدم کر دے تاکہ ناچار ہو کر تمام ملک صنعاء میں حج کے لئے آنے لگے۔

مکہ میں پہنچ کر جیسا کہ سورۂ فیل میں بیان کیا گیا ہے ابرہہ اور اس کا لشکر عذابِ الٰہی سے تباہ ہو گیا۔

ابرہہ کے بعد اس کا پہلا بیٹا یکسوم اور اس کے بعد اس کا دوسرا بیٹا مسروق حکمران ہوا۔

سابق ملوک یمن کی اولاد میں سے اس وقت سیف بن ذی یزن حمیری تھا جو اس دھن میں لگا تھا کہ کسی طرح اسلاف کی کھوئی ہوئی سلطنت کو پھر حاصل کرلے پہلے قیصر کے دربار میں گیا اور وہاں کوشش کی لیکن مایوسی ہوئی۔ اس کے بعد ایران کے بادشاہ نوشیرواں کے پاس پہنچا اس نے امداد کا وعدہ کیا لیکن قبل اس کے کہ یہ وعدہ پورا ہو سیف مر گیا۔ کچھ دنوں کے بعد سیف کا بیٹا معدی کرب ایرانی دربار میں گیا اور وعدہ یاد دلا کر امداد کا خواہاں ہوا۔ نوشیرواں نے ایک ایرانی سپہ سالار وھرز کی سرکردگی میں ایک لشکر معدی کرب کے ساتھ کر دیا۔ یہ لوگ خلیج عمان کو

عبور کر کے حضر موت کے ساحل پر اترے۔ وہاں سے صنعاء کا رُخ کیا۔ اکثر قحطانی قبیلوں نے بھی ساتھ دیا۔

حبشہ کی فوج نے مقابلہ میں شکست کھائی اور ایرانیوں نے اس کو یمن سے نکال دیا۔ وھرز نے معدی کرب کو تاج پہنایا اور اپنی تھوڑی سی فوج صنعاء میں چھوڑ کر واپس چلا آیا۔ یہی ایرانی جو یمن میں رہ گئے تھے ابناء کہے جاتے تھے۔

معدی کرب کو اس کامیابی پر مبارکباد دینے کے لئے عربی قبائل کے سردار جا بجا سے آئے۔ منجملہ ان کے شیخ حرم اور سردار قریش عبد المطلب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا بھی تہنیت کے لئے گئے تھے۔

معدی کرب کی موت کے بعد نوشیرواں نے وھرز کو صنعاء کا والی بنا کر بھیجدیا۔ اب یہ ایرانی سلطنت کا ایک صوبہ ہو گیا۔ یہاں کے والی یکے بعد دیگرے ایرانی دربار سے آتے تھے۔

جس وقت اسلام یمن میں پہنچا ہے تو صنعاء کے والی باذان تھے جو مسلمان ہوئے۔

صنعاء کے علاوہ یمن میں دوسرے مستقل رؤسا بھی تھے جو قیل کہے جاتے تھے۔

ملوک حیرہ

سکندر نے ۳۳۳ء قبل مسیح میں جب ایرانیوں کو شکست دی۔ اور دارا قتل ہو گیا تو اس نے اس عظیم الشان سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا اور ان کے الگ

الگ فرمانروا مقرر کر دیئے۔ اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ ایرانی سلطنت میں اتنی طاقت نہ رہے کہ وہ پھر یونان پر حملہ کر سکے۔ چنانچہ اس مقصد میں وہ کامیاب ہوا اور تقریباً ۵۶۳ سال تک ایران اسی طوائف الملوکی کی حالت میں رہا اور اس میں غیروں پر حملہ کرنے کی طاقت نہ تھی۔

سنہ ۲۳۰ء میں اردشیر نے ایرانیوں کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر باندھا اور تمام ملک کو ایک جھنڈے کے نیچے لاکر پھر ایک متحدہ سلطنت قائم کی جو تاریخ میں دولت ساسانی کے نام سے مشہور ہے۔

اس نے ایران کی سرحد سے بڑھ کر عراق پر بھی اپنا تسلط جمایا۔ یہاں قضاعہ کے جو قبیلے آباد تھے انھوں نے اس حکومت کو پسند نہ کیا اور نکل کر ملک شام کی طرف چلے گئے لیکن حیرا اور انبا کے عربوں نے اطاعت قبول کر لی۔

اردشیر نے دیکھا کہ اہل عرب کو ایرانی حکومت کے ماتحت رکھنا مشکل ہے اس لئے اس نے جذیمہ کو جو عراق کا میر قبائل تھا حیرہ کا بادشاہ بنا دیا تاکہ اس کے ذریعے سے وہاں ایرانی حکومت کا اثر رہے۔ سرحد بھی عربوں کی غارتگری سے محفوظ ہو جائے اور رومیوں کے مقابلہ کے لئے جن کی حکومت ملک شام میں تھی یہاں سے مدد بھی مل سکے۔

ایرانی فوج کا ایک دستہ بھی حیرا میں رہتا تھا۔ عرب اس کو دوسر کہتے ہیں۔ یہ غالباً دوشیر کے لفظ کا بگڑا ہوا خاکہ ہے۔ کیونکہ ایرانی پرچم پر دو سفید شیروں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔

جذیمہ کی موت کے بعد جو تقریباً ۲۶۸ء میں ہوئی قبیلہ لخم کا سردار عمرو بن عدی حیرہ کا بادشاہ ہو گیا۔ شاپور پسر اردشیر کے عہد سے یہی لخمی ملوک متواتر حیرہ کے حکمراں ہوتے چلے آئے۔ جب ایران میں قباد تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اور مزدک نے وہاں اپنا اباحیہ مذہب شائع کیا جس کا لب لباب یہ تھا کہ کسی شے یہاں تک کہ عورت پر بھی کسی شخص کا خاص حق نہیں ہے بلکہ ہر ایک کے لئے اس کا استعمال مباح ہے تو قباد اور نیز اس کی بہت سی رعایا نے اس مذہب کو اختیار کر لیا۔ اس زمانہ میں لخمی خاندان میں سے منذر بن ماء السماء حیرہ کا بادشاہ تھا۔ قباد نے اس کو لکھا کہ تم بھی اس مذہب کو قبول کرو۔ اس نے انکار کر دیا۔ اس لئے اس کو معزول کر کے حارث بن عمر کندی کو جو قبائل بکر کا سردار تھا اس مذہب کا پیرو بنا کر حیرہ کا بادشاہ مقرر کر دیا۔

قباد کے بعد جب اس کا بیٹا نوشیرواں تخت نشین ہوا تو اس نے مزدک اور اس کے پیرووں کو قتل کر کے اس مذہب کو ایران سے مٹا دیا۔ کیونکہ وہ اس کو ملک اور رعایا کے لئے مضر اور انسانی فطری غیرت اور حمیت کے منافی سمجھتا تھا۔

اس نے منذر کو پھر حیرہ کی حکومت عطا کی اور پھر لخمی خاندان میں اس کا سلسلہ چلا۔

جب نعمان بن منذر حیرہ کا بادشاہ ہوا تو کسریٰ کسی وجہ سے ناراض ہو گیا اور اس کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ وہ خوفزدہ ہو کر عربی قبائل میں پناہ ڈھونڈھتا

پھرتا تھا۔ آخر میں قبیلہ بنی شیبان کے رئیس ہانی بن مسعود کے پاس پہنچا۔

ہانی بڑا نامور سردار تھا خود کسریٰ نے بھی اس کو جاگیر دے رکھی تھی۔ نعمان نے سوچا کہ میں اس کے یہاں پناہ لوں گا تو عربی دستور کے مطابق انکار نہیں کرے گا لیکن مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔ اس لئے اپنے مال اور اولاد کو اس کی حفاظت میں چھوڑ کر خود مدائن کی طرف روانہ ہوا کہ دربار میں حاضر ہو جائے۔

کسریٰ نے اس کو قید کر دیا اور اس کی بجائے ایاس بن قبیصہ کو جو بنی طے کا رئیس تھا حیرہ کا فرماں روا بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ ہانی سے نعمان کے مال اور اولاد کو لے کر دربار میں بھیج دے۔ ہانی نے اس امانت کو دینے سے انکار کیا۔ کسریٰ نے ایرانی سرداروں کی ماتحتی میں فوجیں بھیج کر ایاس کو حکم دیا کہ ہانی پر لشکر کشی کرے۔ قبیلہ شیبان نے بھی اپنے ننگ و ناموس کے خیال سے بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اور ایک ہولناک جنگ کے بعد ایرانیوں کو سخت شکست دی۔ یہ پہلی فتح تھی جو عربوں کو ایرانیوں پر حاصل ہوئی۔ اس واقعہ سے چند ماہ پیشتر آنحضرت (صلعم) کی بعثت ہو چکی تھی۔

ایاس کے بعد کسریٰ نے حیرہ میں بھی یمن کی طرح ایک ایرانی والی مقرر کر دیا لیکن سنہ ۶۳۲ء میں آل لخم میں سے منذر نے جس کا لقب مغرور تھا پھر حیرہ کی حکومت حاصل کر لی۔ مگر اس کے آٹھ ہی مہینے کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ لشکر لئے ہوئے اس طرف آئے اور اس کو اسلامی فتوحات کے رقبہ میں شامل کر لیا۔

ملوک شام | قضاعہ کے چند قبیلے اردشیر شاہ ایران کے دستبرد کی وجہ سے عراق

سے نکل کر شام کے ملک میں چلے گئے تھے وہاں سکندر کی فتح کے بعد سے رومیوں کی حکومت قائم تھی۔ انھوں نے ان کو بسا کر انھیں میں سے ایک سردار ان کی حکومت کے لئے مقرر کر دیا تاکہ یہ بادیہ نشین عربوں کے حملوں کو روکیں اور نیز ایرانیوں کے مقابلہ میں کام دے سکیں۔ یہ سردار ملوک کہے جاتے تھے۔

کچھ زمانہ کے بعد غسانی قبیلہ نے وہاں پہنچ کر بنی قضاعہ کو مغلوب کر لیا۔ رومی سلطنت کی طرف سے بنی غسان کا سردار جفنہ بن عمرو بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ تمام عربی قبائل جو حدود شام میں آباد تھے اس کے ماتحت ہو گئے۔

بنی جفنہ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ ان کی حکومت کا سلسلہ برابر قائم رہا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں یرموک کی جنگ کے بعد سنہ ۱۳ھ میں اس خاندان کا آخری بادشاہ جبلہ بن الایہم اسلام لایا۔

بنی جفنہ میں رومیوں کے اثر سے تمدن آ گیا تھا۔ انھوں نے شام میں بڑے بڑے محلات اور کنیسے تعمیر کئے تھے۔ رومیوں کے ساتھ مل کر ایرانیوں پر متعدد فتوحات حاصل کی تھیں۔ ان میں اور ملوک حیرہ میں جو شاہانِ ایران کے زیر اثر تھے بار ہا خونریز لڑائیاں ہوئیں۔

امارتِ حجاز ابتدا میں مکہ کے رئیس جرہم تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر کر کے اپنے بیٹے اسمٰعیل کو وہاں چھوڑ گئے تو انھوں نے قبیلہ جرہم میں اپنی شادی کی۔ ان کی اولاد خانہ کعبہ کی مجاور ہونے کی حیثیت سے

عزت و احترام کے ساتھ دیکھی جاتی تھی لیکن مکہ کی ریاست اور حکومت میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔

سیلاب کے بعد یمن سے جب حارثہ بن عمرو جس کا لقب خزاعہ تھا اپنا قبیلہ لئے ہوئے مکہ میں آیا اور یہاں کے باشندوں کو نکال دیا۔ تو یہ لوگ نجد، عراق اور بحرین وغیرہ مقامات میں جا بسے اور مکہ اور اس کے اطراف میں اسمٰعیلی عربوں میں سے صرف قریش کی اولاد رہ گئی جو منتشر اور مغلوب تھی۔

جب اس خاندان میں قصی بن کلاب پیدا ہوئے تو انھوں نے ان قبائل کو متحد کر کے اپنی قوت اور شوکت بڑھائی۔ بنی خزاعہ سے مکہ کی ریاست چھین لی اور خانہ کعبہ کے بھی متولی ہو گئے۔

یہ تاریخ کا ایک شاعرانہ واقعہ ہے کہ قصی بن کلاب نے خانہ کعبہ کی تولیت اس کے متولی ابی غبشان خزاعی سے ایک مشک شراب پر خریدی تھی۔

چونکہ کعبہ دینی مرکز تھا اور اہل عرب ہر سال وہاں حج کے لئے آتے تھے اس وجہ سے قصی کی سیادت دینی تمام عرب پر قائم ہو گئی۔ انھوں نے مکہ میں دارالندوہ بنایا جس میں قریش جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے اس کی وجہ سے ان میں اور بھی باہم اتحاد و اتفاق بڑھ گیا۔

قصی کو مندرجہ ذیل اسباب شرف حاصل ہوئے۔

(۱) دارالندوہ کی صدارت جس میں تمام بڑے بڑے امور کا تصفیہ ہوتا تھا۔ نیز

قریش کی بیٹیاں وہیں بیاہی جاتی تھیں۔

(۲) لوا ۔ یعنی جنگ کے لئے جھنڈا عطا کرنا۔

(۳) تولیتِ کعبہ ۔ یعنی اسکی حفاظت اور خدمت اسی کو حجابت کعبہ کہتے ہیں۔

(۴) سقایتہ ۔ یعنی جب حج کے موسم میں اہلِ عرب آئیں تو ان کے لئے پانی کے حوض بھروانا۔ یہ حوض چمڑے کے بنائے جاتے تھے اور ان میں کھجور وغیرہ کوئی میٹھی چیز بھی ڈال دی جاتی تھی۔

(۵) رفادۃ ۔ یعنی حاجیوں کی ضیافت کے لئے کھانا پکوانا اور ان کو کھانا۔

قبائل قریش ان امور اور اخراجات میں ان کی امداد کرتے تھے۔

قصی کے بیٹے عبد مناف اپنے باپ کی زندگی ہی میں ان فرائض کو ادا کرنے لگے تھے۔ قصی کی یہ خواہش ہوئی کہ اپنے بیٹے عبدالدار کو بھی اس شرف سے محروم نہ کریں۔ چنانچہ اپنے بعد ان کے لئے وصیت کر گئے۔ عبد مناف نے باپ کی وصیت اور نیز بڑے بھائی کے احترام کی وجہ سے کوئی مخالفت نہیں کی۔

عبد مناف کے بعد ان کے بیٹوں نے بنی عبدالدار کا ان حقوق میں مقابلہ کیا جس کی وجہ سے قریش کے دو فریق ہو گئے۔ قریب تھا کہ باہم جنگ ہو جائے لیکن انھوں نے کعبہ کی خدمات کو آپس میں تقسیم کر کے مصالحت کر لی۔

تولیتِ کعبہ ، لوا ۔ اور دارالندوہ بنی عبدالدار کے حصہ میں آئی۔ اور سقایتہ اور رفادۃ بن عبد مناف کے۔ پھر عبد مناف کے چاروں بیٹوں نے باہم قرعہ

اندازی کی۔ اس میں ہاشم کا نام آیا۔ وہی سقایۃ اور رفادۃ کی خدمتوں کو انجام دینے لگے۔

کچھ دنوں کے بعد ہاشم کے بھتیجے امیہ بن عبدشمس نے جو کثرت مال و اولاد کی وجہ سے ممتاز تھے ان خدمتوں کو ان سے لینے کی کوشش کی جس کی وجہ سے دونوں گھروں میں باہمی نزاع پیدا ہو گئی لیکن یہ رقابت اس قسم کی تھی جیسی اکثر بڑے گھرانوں میں ہو جایا کرتی ہے۔ لڑائی تک معاملہ کبھی نہیں پہنچا کیونکہ قریش حرم کے باشندے تھے جو تمام عرب کے نزدیک جان و مال کے لئے مامن و ملجا تھا اس میں خونریزی اور لڑائی حرام تھی۔ اگر قریش آپس میں لڑتے تو اپنی سیادت کے ساتھ حرم کی عظمت کو بھی کھو بیٹھتے۔ اور پھر دوسرے قبائل بھی ان پر حملہ کرنے میں دریغ نہ کرتے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے جھگڑوں کو دارالندوہ میں مصالحت کے لئے طے کر لیتے تھے اور جنگ کو حرم کی اور خود اپنی شان کے منافی سمجھتے تھے۔

حکومت قبائل نجد کے قرب و جوار کے قبائل ملوک حیرہ کے تابع تھے۔ اور شام کے متصل بادیہ عرب کے باشندے آل جفنہ کے زیر حکومت تھے۔ لیکن یہ حکومت محض نام کی تھی۔ اس لئے کہ عرب کسی ایسی حکومت کو مطلق برداشت نہیں کر سکتے جو ان کی حریت میں خلل انداز ہو۔

بادیہ نشین قبیلوں کے سردار خود انھیں میں سے ہوتے تھے۔ شجاعت، کرم، حلم اور ثروت یہ صفات جس شخص میں پائی جاتی تھیں۔ اور مزید برآں اس کے حامیوں کی

تعداد بھی زیادہ ہوتی تھی وہ سردار ہو جاتا تھا۔ اہل قبیلہ اس کے اشاروں پر چلتے تھے۔ اور جہاں جہاں وہ جاتا تھا اس کے ساتھ ساتھ سفر کرتے تھے۔ اسی کے حکم سے لڑائی اور اسی کی رائے سے صلح ہوتی تھی۔ مال غنیمت میں سے وہ اپنی سرداری کا حق لیتا تھا اور اس سے قبیلہ کی مشترک ضروریات کا سامان کرتا تھا۔ کسی گھر میں جب باپ، بیٹا اور پوتا تینوں متواتر رئیس ہو جاتے تھے تو وہ گھر شرف میں ممتاز سمجھا جاتا تھا۔

قوی قبیلے کمزور قبیلوں کو کبھی کبھی مغلوب کر کے ان سے سالانہ خراج بھی لیا کرتے تھے۔ گو یہ رؤسا تاجدار نہیں ہوتے تھے لیکن اپنے اپنے قبیلوں میں ان کا درجہ بمنزلہ بادشاہ کے ہوتا تھا۔ جس وقت بگڑ جاتے تھے تو سارے قبیلوں کی تلواریں میانوں سے باہر نکل آتی تھیں اور کوئی یہ نہیں پوچھتا تھا کہ وہ کس بات پر بگڑ رہے ہے۔

قبائل کے ممتاز افراد میں چونکہ سرداری کے لئے باہم رقابت رہتی تھی اس وجہ سے یہ رؤسا کرم۔ مہمان نوازی اور قبیلہ کی حمایت میں بہت کوشش کرتے تھے۔ تاکہ شعراء ان کی مدح کر کے ملک میں ان کا نام روشن کریں۔ کیونکہ اہل عرب کے دلوں پر شعر جادو کا اثر رکھتا تھا۔ اکثر ایک قصیدہ بلکہ ایک شعر کسی رئیس کو ملک میں نیک نام یا بدنام کر دینے کے لئے کافی ہوتا تھا۔

مجامع زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کا مختلف مقامات پر اجتماع ہوا کرتا تھا۔ جہاں خرید و فروخت کی گرم بازاری رہتی تھی اور اس کے

ساتھ شعرخوانی کا بھی چرچا رہتا تھا۔ اس اجتماع کی غرض سے رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم ان چاروں مہینوں میں باہمی جنگ وغارت کو حرام کر رکھا تھا۔

پہلا مجمع دومۃ الجندل میں ہوتا تھا وہاں سے ہجر میں جاتا تھا۔ پھر عمان میں۔ اس کے بعد حضرموت میں پھر صنعا یمن میں پہنچتا تھا۔ کہیں ایک ہفتہ اور کہیں دو ہفتہ قیام رہتا تھا۔

ذیقعدہ میں سب سے بڑا اجتماع بازار عکاظ میں ہوتا تھا جو مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں بیس دن تک میلہ لگا رہتا تھا۔ اس کے بعد آخر ذیقعدہ میں بازار مجنہ میں پھر آٹھویں ذی الحجہ تک ذو مجاز میں جو عرفہ کے قریب ہے مجمع رہتا تھا۔ نہم ذی الحجہ کو میدان عرفات میں حج کے لئے جمع ہوتے تھے۔

ان بازاروں میں خاصکر عکاظ میں عرب کے تمام قبائل کے لوگ آتے تھے۔ یہاں ان کے اکثر امور بھی طے ہوتے تھے۔ مثلاً قبیلوں کے باہمی خون کے مقدمے، سرداروں کے جھگڑے وغیرہ۔ قریش چونکہ حرم کے متولی تھے اس لئے ان کو تمام عربی قبائل پر عظمت اور برتری حاصل تھی۔ ہر ہر قبیلے کے شعرا بھی یہاں جمع ہوتے تھے۔ وہ اپنی بہادری، فیاضی اور باپ دادا کے کارناموں کے فخریہ قصائد یا مرثیے وغیرہ سناتے تھے۔ جو لوگ خطیب ہوتے تھے وہ تقریر کرتے تھے۔ یہاں ہر ایک شاعر و خطیب کا درجہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ یہ بازار گویا اہل عرب کی لیاقت کے امتحان کا مقام تھا جو جس قابل ہوتا تسلیم کر لیا جاتا۔ اور تمام ملک میں اس کی شہرت ہو جاتی۔

عرب کے قومی اخلاق

قومی اخلاق سے مراد وہ خصائل ہیں جو کسی قوم کے اکثر افراد میں ہوں، یا جن کو اس قوم کے لوگ بالعموم پسند کرتے ہوں۔

کرم و مہمان نوازی

عربی اخلاق میں یہ وصف نمایاں تر ہے اور ان کے اشعار کا زیادہ حصہ اسی کی مدح و ثنا سے پُر ہے۔ ایک فقیر مصیبت زدہ اور فاقہ کش عرب جس کے پاس صرف ایک ہی اونٹنی ہوتی تھی جس سے اس کی اور اس کے اہل و عیال کی روزی چلتی تھی جب اس کے یہاں کوئی مہمان آجاتا تھا تو وہ بھی بلا پس و پیش اپنی اسی ذریعہ حیات اونٹنی کو ذبح کرکے اس کی ضیافت کر دیتا تھا امراء اور رؤساء ادنیٰ ادنیٰ طلب پر اونٹوں کے گلّے کے گلّے بخش دیتے تھے اور اس بخشش کو اپنے دستارِ فخر کا طرّہ سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں حاتم جیسے نامور سخی پیدا ہوئے۔

وفاء عہد

عہد و پیمان کی پابندی کو اہلِ عرب فرض سمجھتے تھے اور جان، مال اور اولاد سب کو اس پر قربان کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے۔

اوپر گذر چکا ہے کہ ہانی بن مسعود نے نعمان بن منذر کے مال و اولاد کو جو ان کی امانت میں تھے باوجود کسریٰ کے حکم کے واپس دینے سے انکار کر دیا۔ اور بلا اندیشۂ انجام دولت ایران سے جو اس وقت دنیا کی سب سے زبردست سلطنت تھی لڑ بیٹھے۔

سموال بن عادیا بھی وفا عہد میں ضرب المثل ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ عرب کے مشہور شاعر امرء القیس نے اپنی تلواریں اور زرہیں امانتاً اس کے پاس رکھی تھیں۔ حارث غسانی نے سموال سے ان کو طلب کیا۔ اس نے امانت داری کے خلاف سمجھ کر انکار کر دیا۔ آخر حارث ایک لشکر جرار لے کر چڑھ آیا۔ سموال میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے وہ اپنے قلعہ میں محصور ہو گیا۔

دوران محاصرہ میں حارث نے اتفاقاً اس کے بیٹے کو قلعہ کے باہر پکڑ لیا۔ سموال کو پکارا وہ برج پر آیا۔ اس سے کہا کہ اگر تم امرء القیس کی امانت میرے حوالے کر دو تو میں تمہارے بیٹے کو چھوڑ دوں گا ورنہ قتل کر دوں گا۔ اس نے بیٹے کا قتل ہو جانا گوارا کیا لیکن بدعہدی نہیں جائز رکھی۔

الغرض وفا شعاری اور پابندی عہد ان کا شیوۂ عام تھا۔ اور بے وفائی کے داغ اور بدعہدی کی بدنامی سے وہ بہت ڈرتے تھے۔ اسی لئے جس قیمت پر ممکن ہوتا تھا وفاداری کو خریدتے تھے۔

اگر اتفاقاً پاس عہد میں کسی سے لغزش ہو جاتی تھی تو آتش زبان شعراء اپنی شرر افشانیوں سے اس کو جہنم کی آگ میں بھون دیتے تھے۔ پھر وہ عرب میں کسی کو منہ دکھانے

کے قابل نہیں رہتا تھا۔

یہی سبب تھا کہ وہ جن کو پناہ دیتے تھے ان کا بہت خیال رکھتے تھے اور اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے بھی ان کو مقدم سمجھتے تھے۔ چنانچہ یمامہ کے سردار عمیر بن سلمیٰ کے یہاں بنی کلاب کے ایک شخص نے مع اپنے بھائی کے پناہ لی۔ اتفاق سے اس شخص کے بھائی اور عمیر کے بھائی قرین میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ قرین نے اس کو قتل کر دیا عمیر اس وقت باہر تھا۔ جب مکان پر آیا اور اس کو علم ہوا تو اس نے کوشش کی کہ کلابی اپنے بھائی کا خون بہا لے لے۔ یمامہ کے اور سرداروں نے بھی اسکو سمجھایا لیکن وہ مال لینے پر رضامند نہیں ہوا بلکہ قصاص کا خواہاں تھا۔ عمیر کی ماں نے کہا کہ قرین کی جس قدر ملکیت ہے سب لے لے اور اس کی جان بخشی کر دے۔ لیکن اس نے نہیں مانا۔ مجبوراً عمیر نے قرین کا ہاتھ پکڑا اور کلابی کو ساتھ لے کر وادی کے دوسرے کنارے پر پہنچا اور اپنے بھائی کو کھجور کے ایک درخت سے باندھ دیا اور کلابی سے کہا کہ جب سوائے قصاص کے تم کسی چیز پر راضی نہیں ہوتے تو اس کو قتل کر دو۔ مگر اتنی مہلت دو کہ میں اس وادی سے نکل جاؤں اور آج سے تم میری پناہ میں نہیں ہو۔ یہ کہہ کر وہ چلا آیا اور کلابی قرین کو قتل کر کے اپنے قبیلوں میں جا ملا۔

حلیفوں کے ساتھ ان کی وفا رعہد کا یہ عالم تھا کہ عزت اور شرف ہر چیز میں ان کو اپنے برابر رکھتے تھے۔ قریش جو اپنے آپ کو عرب کے تمام قبائل میں شریف تر سمجھتے تھے اور غیروں کو بیٹیاں نہیں دیتے تھے وہ بھی ان قبائل میں جو ان کے حلیف

ہو جاتے تھے بے تکلف شادیاں کرتے تھے اور اپنی بیٹیاں بیاہتے تھے۔

شجاعت بہادری عرب کا وصف عام تھا۔ کرم اور مہمان نوازی سے کبھی زیادہ ان کے اشعار میں اس کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کرم کا ظہور زیادہ تر مالداروں سے ہوتا ہے۔ اور شجاعت کا اظہار ہر فرد کر سکتا ہے۔ چنانچہ ان میں بہت سے نامور بہادر اور شجاع گذرے ہیں۔

ان کی شجاعت تہور کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ لڑائی کے لئے صرف ایک آواز پر تیار ہو جاتے تھے اور بلا انجام سوچے ہوئے سخت سے سخت مہموں پر پیش قدمی کر گزرتے تھے۔ میدان میں تلوار کی دھار پر جان دینے کو شرافت سمجھتے تھے۔ اور بستر پر ناک رگڑ رگڑ کر مرنا ان کے نزدیک گالی تھی۔ اس جرأت اور دلیری کی وجہ سے ان میں سفاکی غالب تھی۔ اور حلم کی صفت سوائے رؤسا اور اشراف قبائل کے کمتر لوگوں میں پائی جاتی تھی۔

ان اخلاق کے علاوہ اور بھی بعض بعض اوصاف ہیں جن کی وصیت ان کے اشعار میں ملتی ہے لیکن ہم ان کو جمہور کے اخلاق میں شامل نہیں کر سکتے بلکہ وہ پند و حکمت کی باتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود جہالت اور بدویت کے بھی ان میں بعض حکیمانہ طبیعتیں موجود تھیں۔

ان میں چند جاہلانہ عادتیں بھی تھیں ان کا ذکر بھی کر دینا ضروری ہے۔

قمار بازی اس عادت کو بھی اہل عرب کرم کا ایک جزو سمجھتے تھے کیونکہ جوئے میں جو کچھ جیتتے تھے اس کو فقراء اور مساکین کو کھلاتے تھے۔ اسی لئے

اشعار میں اپنی اس عادت کی مدح کرتے تھے۔ یہ عیب زیادہ تر دولت مندوں میں تھا۔

شراب خوری اس عادت کو بھی وہ تمغۂ شرافت جانتے تھے۔ اور اس میں جو کچھ صرف کرتے تھے اس کو کرم شمار کرتے تھے ان کے اشعار میں فخر کے ساتھ اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔

قرآن نے ان دونوں چیزوں کو باہمی دشمنی اور عداوت کا سبب اور شیطانی کام قرار دیا اور حرام کر دیا۔

ان کے علاوہ ان میں اور بھی چند عادتیں تھیں جن کا بیان آئندہ ان کی دینی رسموں کے ذیل میں کیا جائے گا۔

عربی زبان

ملک شام اور عرب میں بسنے والی قومیں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد ہیں اس لیے ان کی زبانیں سامی کہی جاتی ہیں۔ چونکہ یہ لوگ مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے اس وجہ سے ان کے لب و لہجہ بھی باہم مختلف ہو گئے۔ اور قبیلہ اور مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے سامی زبان کی کئی قسمیں ہو گئیں اور ان کے مختلف نام رکھے گئے۔ مثلاً عرب میں جو لوگ رہے ان کی زبان عربی اور سوریا یعنی شام والوں کی زبان سُریانی کہلائی۔ بنی عابر کی زبان نے عبرانی اور ارم کی اولاد کی زبان نے ارامی کا لقب پایا۔

اسی طرح نبطی قبیلہ کی زبان نبطی اور کلدانیوں کی کلدانی مشہور ہوئی۔

الغرض عربی زبان سامی زبان کی ایک شاخ ہے اور اہل عرب ہمیشہ سے اسی زبان کو بولتے چلے آتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جن کی زبان عبرانی تھی جب مکہ میں آئے تو انھوں نے بھی بنی جرہم میں رہ کر اسی زبان کو اختیار کرلیا۔ اور ان کی اولاد یہی زبان بولنے لگی۔ اسی لئے یہ لوگ عرب مستعربہ کہے جاتے ہیں۔

عربوں میں زبان کو وسعت دینے کے تین طریقے تھے ایک تو یہ کہ کوئی نئی چیز دیکھتے تھے تو اس کے لئے نیا لفظ وضع کرلیتے تھے۔ دوسرا یہ کہ اس کی ہم جنس اور مشابہ چیزوں کے لئے جو لفظ مستعمل ہوتا تھا اسی کو مجازاً اس کے لئے بھی استعمال کرلیتے تھے۔ تیسرا یہ کہ دوسری زبان کے الفاظ کو معرّب بنا لیتے تھے۔

چونکہ ایران اور افریقہ وغیرہ کے بازاروں میں تجارت کے لئے آمد و رفت رکھتے تھے اس لئے بہت سے غیر زبانوں کے الفاظ جن کا بدل عربی میں نہیں ملتا تھا اپنی زبان میں شامل کرلیتے تھے۔ شعرا جب ان الفاظ کو اشعار میں استعمال کرلیتے تھے تو پھر وہ تمام ملک میں مقبول ہو جاتے تھے کیونکہ عرب میں اس زمانہ میں شعر کا وہی درجہ تھا جو آجکل اخباروں کا ہے۔

ان طریقوں سے عربی زبان نہایت وسیع ہوگئی۔ گوناگوں اسلوب سے اس میں خیالات ادا کئے جانے لگے۔ ظہور اسلام کے قریب بڑے بڑے اہل کمال شعراء کے

علاوہ نہایت زبان آور فصیح و بلیغ خطیب بھی عرب میں موجود تھے۔ مثلاً قس بن ساعدہ سحبان وائل اور اکثم بن صیفی وغیرہ۔

قریش میں اگرچہ کوئی ممتاز شاعر نہ تھا لیکن چونکہ وہ زبان کی فصاحت کی طرف خاص توجہ رکھتے تھے اس لئے ان کی زبان دوسرے قبیلوں سے بہتر تھی اور تمام عرب میں سند مانی جاتی تھی۔

علوم عرب

علوم، تمدن کے دوش بدوش چلتے ہیں چونکہ اسلام سے قبل بالعموم عربوں پر بدویت غالب تھی اور ان کی ضروریات بہت کم تھیں۔ اس وجہ سے علم و صنعت و حرفت کے وہ زیادہ محتاج نہ تھے تاہم ان میں جو علوم تھے ان کا بیان کردینا ضروری ہے۔

کتابت یمن میں چونکہ حمیری سلطنت قائم تھی اور وہاں کے لوگ حبشہ وغیرہ دوسرے ممالک سے تجارت بھی کرتے تھے اس لئے ان میں لکھنے کا رواج تھا۔ یمنی خط کو مسند کہتے تھے۔

عراق میں جب ملوک حیرہ کی سلطنت قائم ہوئی تو یہاں کے لوگوں نے بھی اہل یمن سے کتابت سیکھی۔

مکہ کے باشندوں میں حرب بن امیہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے ایک رشتہ دار سے جو حیرہ میں رہتا تھا لکھنا سیکھا۔ پھر ان سے قریش کے دوسرے لوگوں نے

اختذ کیا۔ آغازِ اسلام میں سارے حجاز میں کل سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے۔

عدمِ کتابت کی وجہ سے عربوں کو زیادہ تر اپنی قوتِ حافظہ پر بھروسا رکھنا پڑتا تھا اسی وجہ سے ان کا حافظہ بے نظیر ہو گیا تھا۔ شعرا بڑے بڑے قصیدے پڑھتے تھے اور لوگ ان کو سن کر بے تکلف بر زبان یاد کر لیتے تھے۔ بعض بعض مشہور قصیدے یاد رکھنے کے لیے نہیں بلکہ تعظیم کے خیال سے لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا کرتے تھے۔

الغرض تمام عرب خاص کر حجاز میں کتابت اس قدر کم تھی کہ وہاں کے باشندوں کو بالعموم اُمّی یعنی ناخواندہ قوم کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی لفظ کے ساتھ اس کو قرآن نے مخاطب کیا ہے۔

شاعری

اگرچہ اسلام سے دو سو برس پہلے کے عربی اشعار بہت کم ملتے ہیں لیکن یہ یقینی ہے کہ عربوں میں شعر گوئی کا رواج قدیم زمانہ سے تھا اور شاعری ان کی فطرت میں داخل تھی۔ تمام ملک میں اس قدر چرچا تھا کہ جو لوگ اس سے دلچسپی نہیں لیتے تھے ان میں یہ ایک نقص سمجھا جاتا تھا۔ مردوں کے علاوہ تاریخ عرب میں خنساء اور لیلیٰ وغیرہ متعدد عورتوں کے بھی نام ملتے ہیں جنھوں نے شعر گوئی میں شہرت حاصل کی۔

اہلِ قبیلہ اپنے شعراء کی شہسواروں اور بہادروں سے بھی زیادہ قدر کرتے تھے۔ جب کسی قبیلہ میں کوئی اچھا شاعر پیدا ہو جاتا تھا تو دوسرے قبائل کے لوگ آکر اس کو مبارکباد دیتے تھے اور اس خوشی میں دعوتیں دی جاتی تھیں۔ جن میں عورتیں اور بچے

بھی جمع ہو کر جشن مناتے تھے کہ اب ہمارے قبیلے کی عزت اور آبرو کا نگہبان، حسب اور نسب کا محافظ۔ باپ اور دادا کے مفاخر اور قبیلوں کے کارناموں کا زندہ رکھنے والا پیدا ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم کو عرب جاہلیت کے جس قدر حالات، عادات اور علوم وغیرہ معلوم ہوتے ہیں ان سب کا پتہ ان کے اشعار ہی کے ذریعے سے لگا ہے۔ اور باوجود اس کے کہ ان کے تمام اشعار ہم تک نہیں پہونچے پھر بھی ضخیم مجموعے ان سے بھرے پڑے ہیں۔

نجوم بدوی چونکہ اپنی زندگی بیابانوں میں گذارتے تھے۔ اس لئے ستاروں کے نام، رفتار اور ان کے مواقع سے آشنا ہو گئے تھے۔ نیز موسمی ہواؤں سے بارش وغیرہ کا بھی پتہ لگا لیتے تھے۔ بارھوں برج اور قمر کی منزلوں سے بھی واقف تھے انھوں نے دورۂ قمری کو ۲۸ منزلوں میں اس حساب سے تقسیم کر رکھا تھا کہ ایک رات میں وہ ایک منزل طے کرتا ہے۔ جب اس کے پورے تیرہ دورے ہو جاتے تھے تو اس کو سن شمسی قرار دیتے تھے۔

طب شہروں میں بعض بعض لوگ اس قسم کے تھے جو بیماروں کا علاج معمولی طریق سے کر لیتے تھے۔ بدوی بھی بعض بعض دواؤں سے واقف تھے۔ خاص کر اونٹوں کا علاج خوب کرتے تھے۔ ان کے نزدیک سب سے بڑا علاج آگ سے داغ دینا تھا۔

قیافہ اس فن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو نقش قدم سے جانے والے کا پتہ لگانا دوسرے جسم کے اعضاء اور ان کی ساخت سے یہ دریافت کرنا کہ یہ فلاں شخص کی اولاد میں سے ہے۔ ان دونوں میں عربوں کو بڑی مہارت تھی۔

پہلی قسم یعنی نقش قدم سے ریگستانی ملکوں میں مجرموں اور دشمنوں کا پتہ لگانے میں بہت آسانی ہوتی ہے۔ اور اب تک عرب، افریقیہ اور نیز دوسرے ریگستانی ملکوں میں اس فن سے بہت کام لیا جاتا ہے۔

دوسری قسم کو بھی شریعتِ اسلامیہ نے لغو قرار نہیں دیا۔ بلکہ صحت ونسب کے ثبوت میں اس کا اعتبار کیا ہے۔

صنعت پوشش کے لئے عورتیں عام طور پر اون کاتتی تھیں اور شہری باشندے اس کو بُن کر چادر، کمبل اور خیمہ وغیرہ تیار کرتے تھے۔ یمن میں یہ صنعت زیادہ تھی۔ اور وہاں کی چادریں عرب میں خاص طور پر شہرت رکھتی تھیں۔ نیز دائمی جنگ کی وجہ سے آلات حرب کی بھی ان کو ضرورت رہتی تھی۔ اس لئے بعض بعض مقامات میں لوگ ان کو تیار کرتے تھے۔ بحرین کے متصل مقام خط میں نیزہ بہت اچھا بنتا تھا اور ابلہ میں جو نواحی عراق میں تھا تلوار عمدہ تیار ہوتی تھی۔ اسی کو عرب سیف ہندی کہتے تھے۔

ادیانِ عرب

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے اثر سے اہل عرب نے دین ابراہیمی کو اختیار کر لیا تھا۔ اس دین کو حنیفی کہتے تھے اور صرف اللہ کی پوجا کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کو جو دنیا میں سب سے پہلی مسجد ہے اور اکیلے اللہ کی عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا ہے مقدس اور محترم سمجھتے تھے اور اس کا طواف کرتے تھے۔

لیکن جب بنی عدنان مکہ چھوڑ کر مختلف مقامات میں پھیلے تو برکت کی غرض سے کعبہ کا ایک ایک پتھر بھی اپنے ساتھ لے گئے اور اس کی تعظیم کرنے لگے اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی اولاد کے دلوں میں یہ عقیدہ پیدا ہو گیا کہ پتھر بھی معبود اعظم کے تقرب کا ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ اس طرح ان میں شرک رائج ہو گیا۔

مشرکین عمرو بن لحی خزاعی جو کعبہ کا متولی تھا جب ملک شام میں گیا تو دیکھا کہ وہاں کے لوگ بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ اس نے وہاں سے چند مورتیاں لا کر خانہ کعبہ میں رکھ دیں۔ عرب ان بتوں کی تعظیم کرنے لگے یہاں تک کہ وہ خود بت بنانے لگے۔

بنی ہذیل نے مقام ینبع کے قریب ایک بت بنایا جس کا نام سواع رکھا۔ وہاں کے آس پاس کے مضری قبائل اس کو پوجنے لگے۔

بنی مذحج اور اہل جرش نے اپنے بت کا نام یغوث اور بنی خیوان نے یعوق رکھا۔ ان کو اہل یمن اپنا دیوتا سمجھتے تھے۔ حمیر نے نسر کا بت تراشا اور جب تک وہ یہودی نہ ہوئے برابر اس کی عبادت کرتے رہے۔

مقام عدیہ میں وُد ایک نہایت قوی ہیکل انسان کی شکل کا بت بنایا گیا۔ جس کے جسم پر ایک ہتبند تھا۔ اوپر چادر لپٹی ہوئی۔ بازو میں کمان اور کمر میں تلوار اور ہاتھ میں نیزہ تھا جس پر پرچم لہرا رہا تھا۔ یہ غالباً جنگ کے دیوتا کی مورت تھی۔

یہ پانچوں بت روایات کی بنیاد پر بنائے گئے تھے۔ کیونکہ ان کا وجود قدیم زمانے میں بھی تھا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پانچوں بتوں کا نام لیا ہے کہ باوجود فہمائش کے مشرکین ان کی پرستش سے باز نہیں آتے تھے

مکہ اور مدینہ کے درمیان قدید میں سمندر کے کنارے ایک بت مناۃ تھا اہل عرب اس کو پوجتے تھے اور اس پر ذبیحے چڑھاتے تھے۔ خاص کر مدینے کے قبائل اوس و خزرج۔

طائف میں لات کی پرستش ہوتی تھی۔ لیکن یہ بت نہیں تھا بلکہ پتھر کی ایک مربع چٹان تھی۔ جو غالباً کسی پرانے بت خانہ کی یادگار تھی۔

مکہ اور عراق کے مابین نخلہ شامیہ کی وادی میں ایک بت خانہ تھا۔ جس میں قریش کا بڑا بت عزّیٰ تھا۔

الغرض شرک عام طور پر عربوں میں پھیلا ہوا تھا۔ اور قبیلہ قبیلہ کا ایک ایک بت تھا۔

خود کعبہ میں بہت سے بت تھے۔ جن میں ہبل سب سے ممتاز تھا۔ یہ انسان کی شکل کا تھا اور سرخ عقیق سے بنایا گیا تھا۔ دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا خزیمہ بن مدرکہ نے اسی شکل میں اس کو پایا اور لاکر خانہ کعبہ میں رکھ دیا۔ ٹوٹے ہوئے ہاتھ کے بجائے سونے کا ہاتھ بنوا کر لگا دیا۔

عرب ان بتوں اور پتھروں کی تعظیم اور عبادت اس اعتقاد سے نہیں کرتے تھے کہ ان کو قادر مطلق سمجھتے ہوں بلکہ صرف اس خیال سے کہ یہ ان کو اللہ سے قریب کر دینگے۔ خالق رازق، جلانے والا مارنے والا وہ اللہ کے ماسوا اور کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔

یہ اصنام چونکہ عبادت کے لیئے نصب کئے جاتے تھے اس لیئے عرب ان کو انصاب بھی کہتے تھے۔ اور ان کے اوپر مختلف قسم کی نذریں بھی چڑھاتے تھے۔

بحیرہ۔ اونٹنی کے کان پھاڑ کر اس کو کسی بت کے ساتھ نامزد کرتے تھے۔ پھر نہ اس پر سواری ہوتی تھی نہ اس کا اون تراشا جاتا تھا۔ نہ سوائے فقیروں کے کوئی اس کا دودھ پیتا تھا۔

سائبہ۔ نذر مانتے تھے کہ بیماری سے شفا یا مصیبت سے نجات مل گئی تو بت کے نام پر اونٹ چھوڑ دیں گے۔ کامیاب ہو جانے پر اس کو ادا کرتے تھے اس اونٹ کو سائبہ کہتے تھے۔ وہ جہاں چاہتا تھا چرتا تھا اس سے کام نہیں لیا جاتا تھا۔

وصیلہ۔ جو بکری سات بار دو دو مادہ جنتی تھی اور آٹھویں بار صرف ایک نر اس کو بت کے نام پر ذبح کر دیتے تھے۔ اگر نر کے ساتھ کوئی مادہ بھی جنتی تھی تو عورتوں پر اس کا دودھ حرام ہو جاتا تھا۔ اور وہ نر بزغالہ بت کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔

حام۔ وہ شتر نر جس کی چوتھی نسل پیدا ہو جائے بت کے نام پر آزاد کر دیا جاتا تھا۔ اور اس سے کام نہیں لیا جاتا تھا۔ قرآن نے ان چاروں کو شرک قرار دے کر ممنوع فرما دیا۔

عربوں کا یہ بھی دستور تھا کہ جب وہ کسی کام یا سفر کا ارادہ کرتے تھے تو بتوں کے مجاوروں کے پاس جا کر کہتے تھے کہ ہمارے لئے فال نکال دو۔ وہاں بے پیکان کے تیر ہوتے تھے جن کو ازلام کہتے تھے۔ ان میں سے کسی پر ہاں اور کسی پر نہیں لکھا ہوتا تھا۔ مجاور ان میں سے ایک تیر نکال لیتا تھا۔ اور اسی کے مطابق کرو یا نہ کرو کا حکم دیتا تھا۔

خانۂ کعبہ میں حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے جو بت بنائے گئے تھے ان کے ہاتھوں میں بھی اسی قسم کے تیر رکھے گئے تھے۔ گویا وہ بھی فال نکال رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قمار اور شراب کے ساتھ انصاب اور ازلام کو بھی ناپاک شیطانی فعل قرار دیا۔

باوجود ان بت پرستیوں کے اہل عرب کے دلوں میں جو عظمت کعبہ کی تھی وہ کسی دوسرے معبد کی نہ تھی۔ حرم کو وہ اس قدر مقدس سمجھتے تھے کہ جب حج کے لئے وہاں آتے تھے تو جو زادِ راہ اپنے ساتھ لاتے تھے اس کو حدودِ حرم میں کھانا جائز نہیں

سمجھتے تھے۔ اس لئے قریش جو اہل حرم تھے ان کو کھلاتے تھے۔ اور نہ وہ اپنے کپڑے پہنکر طواف کیا کرتے تھے اور اگر کر لیتے تھے تو پھر ان کو کبھی چھوتے نہیں تھے۔ قریش ان کے لئے لباس بھی مہیا کرتے تھے اور بہت سے برہنہ طواف کرتے تھے۔

یہود مشرکین کے علاوہ ملک عرب میں چند یہودی قبائل بھی تھے۔ یہودیت کا آغاز یہاں اس طرح پر ہوا کہ شام میں جب بنی اسرائیل پر سختیاں ہوئیں تو ان کے چند خاندان یثرب اور خیبر وغیرہ میں آکر آباد ہو گئے۔ ان کے اثر سے ان مقامات کے بھی کچھ لوگ ان کے دین میں داخل ہو گئے۔ یثرب کے دو یہودی یمن میں پہنچے۔ صنعاء کے بادشاہ یوسف ذونواس نے ان کے اس دین کو اختیار کر لیا۔ اس وجہ سے وہاں کے بہت سے لوگوں نے ان کی پیروی کی۔

نصاریٰ نصرانیت یمن کے مقام نجران سے شروع ہوئی۔ پھر حیرہ کا بادشاہ نعمان بن منذر عیسائی ہوا اور وہاں کے بہت سے لوگ اس دین کے پیرو ہو گئے۔ طے کے قبائل نے بھی عیسائیت اختیار کر لی۔ غسانی عرب بھی جو رومی سلطنت کے زیر اثر تھے نصاریٰ تھے۔ جزیرہ میں نمر اور تغلب کے بعض قبائل بھی عیسائی ہو گئے تھے۔

لیکن عرب دراصل نام کے یہودی یا عیسائی تھے۔ ان مذاہب کی اصلی روح طبائع میں مطلق نہ تھی۔ اور ہو بھی کس طرح اس واسطے کہ دین عیسوی جنگ سے انسان کو روکتا ہے۔ اور عرب اس سے باز آنے والے نہ تھے۔ یہود کے نزدیک بُت

پرستوں کی ہر چیز ناپاک اور حرام ہے۔ اور یہ دشمنوں کے مالِ غنیمت سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے۔

موحدین عرب میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ ان کو بت پرستی سے نفرت تھی ان کا خیال تھا کہ قربِ الٰہی کا حقیقی ذریعہ صرف دینِ ابراہیمی ہے لیکن ان کو لوگوں نے بھلا رکھا ہے۔ یہ بت یا پتھر جن میں نفع نقصان پہنچانے کی مطلق قدرت نہیں ہے۔ کیونکر ہم کو اللہ تک پہنچا سکتے ہیں۔

ان موحدین میں سے زید بن عمرو بن نفیل بہت مشہور ہیں وہ بتوں کی پرستش سے بیزار تھے۔ اور سوائے اللہ کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے تھے۔ خانہ کعبہ میں بیٹھ کر قریش سے کہا کرتے تھے کہ سوائے میرے تم میں سے کوئی شخص دینِ ابراہیمی پر نہیں۔ گو ان کو اسلام نہیں نصیب ہوا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ قیامت کے دن وہ اکیلے ایک امت کی بجائے اٹھائے جائیں گے۔

ورقہ بن نوفل بھی بت پرستی سے بیزار تھے۔ دینِ حق کی تلاش میں آسمانی کتابیں پڑھیں اور عیسائی ہو گئے۔

عبیداللہ بن جحش بھی موحد تھے۔ لیکن انھوں نے کسی مذہب کی پیروی نہیں کی۔ جب آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو اسلام لائے۔ لیکن جب حبشہ میں ہجرت کر کے گئے تو دینِ عیسوی اختیار کر لیا۔ اور اسی دین پر مرے۔

کاہن عرب میں کاہنوں کی بھی ایک جماعت تھی جو مقفّیٰ اور مسجّع کلام میں لوگوں

کو غیب کی خبریں بتایا کرتی تھی۔ ظہور اسلام کے قریب یہ لوگ عام طور پر ایک نبی کی آمد کی پیشگوئی کرتے تھے۔

یہود بھی ایک نبی کے منتظر تھے۔ جو ان کو سختیوں سے نجات دلا کر پھر مجتمع کرے گا اور اس کے ذریعہ سے وہ اپنے دشمنوں کو مغلوب کریں گے۔ چنانچہ مدینہ کے اوس اور خزرج کے قبائل جب یہودیوں پر غالب آجاتے تھے تو وہ ان کو اسی آنے والے نبی کے نام سے دھمکاتے تھے۔

الغرض ظہور اسلام سے قبل عقلاء عرب اور وہاں کے اہل کتاب میں ایک دینی تحریک موجود تھی جو اگرچہ بے نتیجہ تھی کیونکہ شرک اور بت پرستی سے ان کو روک نہیں سکتی تھی۔ لیکن طبائع میں اسلام قبول کرنے کی استعداد اس نے ضرور پیدا کر دی تھی۔

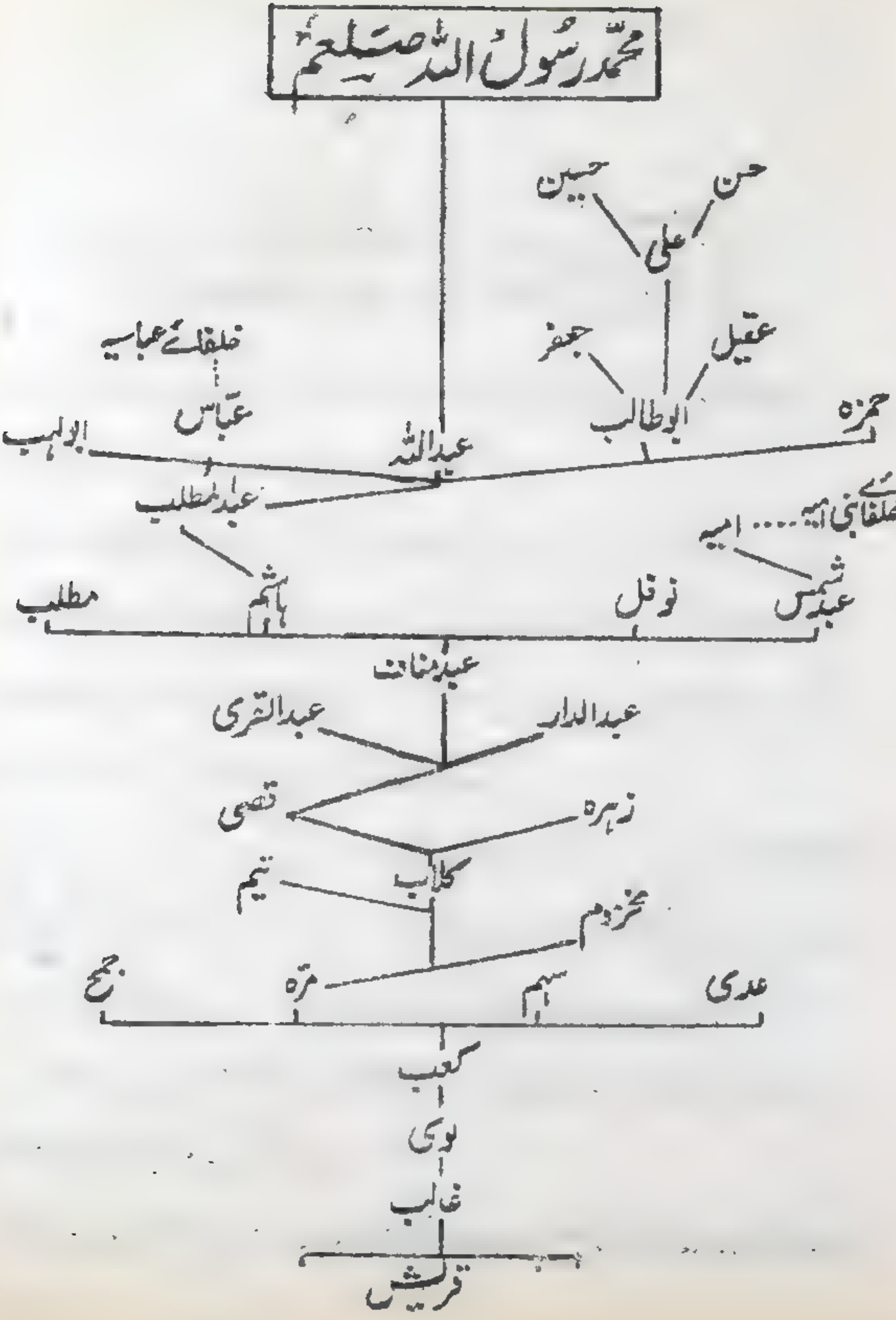
محمد رسول اللہ صلعم
حسن
حسین
علی
عقیل
جعفر
خلفائے عباسیہ
عباس
ابولہب
عبداللہ
ابوطالب
حمزہ
عبدالمطلب
خلفائے بنی امیہ ..... امیہ
مطلب
ہاشم
نوفل
عبدشمس
عبدمناف
عبدالعزیٰ
عبدالدار
قصی
زہرہ
کلاب
تیم
مخزوم
جمح
مرہ
سہم
عدی
کعب
لوی
غالب
قریش

ولادت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

قریش کے سب سے پہلے سردار عبد المطلب تھے ان کے کئی نامور بیٹے تھے مثلاً ابوطالب۔ عبداللہ۔ حمزہ۔ اور عباس وغیرہ

انھوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کا نکاح آمنہ بنت وہب کے ساتھ کیا جو قریش کے قبیلہ بنی زہرہ کی عزیز ترین بیٹی تھیں۔ نکاح کے تھوڑے دنوں کے بعد عبداللہ نے تجارت کے لئے مکہ سے شام کا سفر کیا۔ اثنائے سفر میں مدینہ کے قبیلے بنی نجار میں جہاں ان کا ننہیال تھا ٹھہر گئے اور بیمار ہو کر انتقال کر گئے۔

تاریخ وفات ان کی وفات کے چند ماہ بعد دوشنبہ کے دن صبح کے وقت ۹ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو اسی سال جس میں اصحاب فیل کا واقعہ ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔

عبدالمطلب یہ مژدہ سنکر بہت خوش ہوئے محمد نام رکھا اور عرب کی رسم کے مطابق ساتویں دن ختنہ کیا۔

عربی قبائل کے نسب ناموں کے دیکھنے کے لئے بحر بنی تمیم کے ایک سردار کے جو

فرزدق شاعر کی پانچویں پشت میں پڑتا ہے اس نام کا اور کوئی شخص تمام عرب میں نہیں ملتا۔

رضاعت سادات قریش کا یہ دستور تھا کہ اپنی اولاد کو بادیہ نشین قبائل کی عورتوں سے پرورش اور دودھ پلانے کے لئے سپرد کر دیتے تھے تاکہ وہ توانا اور تندرست رہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ کو ان کے دادا نے بنی سعد کی ایک خاتون کے حوالے کیا ان کا نام حلیمہ بنت ابی ذویب تھا اور ان کے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ تھے جن کی کنیت ابوکبشہ تھی۔ حلیمہ نے چار سال تک پرورش کی پھر مکہ میں لاکر ان کی والدہ کے سپرد کر گئیں۔

آمنہ کی وفات جب سے آنحضرتؐ کے والد نے مدینہ میں وفات پائی تھی آپؐ کی والدہ ہر سال مکہ سے ان کی قبر کی زیارت کو جایا کرتی تھیں۔ ان کے ہمراہ عبدالمطلب ہوتے تھے۔ آنحضرتؐ کی عمر کا چھٹا سال تھا کہ آپ بھی اپنی ماں اور دادا کے ساتھ مدینے گئے۔ واپسی میں راستہ ہی میں آپؐ کی والدہ بیمار ہو کر وفات پا گئیں اور مقام ابوا میں جو مکہ اور مدینے کے درمیان واقع ہے مدفون ہوئیں۔

عبدالمطلب یتیم پوتے کو لے کر مکہ واپس آئے وہ ان سے بہت محبت کرتے تھے اور اپنی عزیز ترین اولاد سمجھتے تھے۔

کعبہ کے سائے میں عبدالمطلب کے لئے فرش بچھایا جاتا تھا۔ ان کے بیٹے ادب سے اس کے کنارے پر بیٹھتے تھے۔ آنحضرتؐ جب آتے تو سیدھے فرش پر چلے جاتے ان کے

چچا ان کو پکڑ کر کھینچتے کہ اپنے برابر بٹھائیں۔ عبدالمطلب کہتے کہ نہیں اس کو چھوڑ دو۔ واللہ میرا یہ فرزند بڑا آدمی ہونے والا ہے۔ پھر ان کو اپنے پاس بٹھلاتے اور شفقت سے پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے۔

وفات عبدالمطلب

آنحضرتؐ کی عمر آٹھ سال کی تھی کہ عبدالمطلب نے بھی مکہ میں انتقال کیا۔ وفات کے قبل انھوں نے اپنے بیٹے ابوطالب کو جو آنحضرتؐ کے حقیقی چچا تھے ان کی پرورش کی وصیت کر دی تھی۔

عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں سے ابوطالب۔ عبداللہ اور زبیر حقیقی بھائی تھے۔ ان تینوں کی والدہ فاطمہ مخزومیہ تھیں۔

سفر شام

بیان کیا گیا ہے کہ نو سال کی عمر میں آپ کو ابوطالب قافلہ تجارت کے ہمراہ ملک شام میں لے گئے۔ جب مقام بصرہ میں پہنچے جو رومیوں کے ماتحت تھا۔ تو وہاں ایک راہب نے جس کا نام بحیرا تھا آپ کو دیکھ کر ابوطالب سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے کو وطن واپس لے جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دشمن ان کو قتل کر دے۔ کیونکہ ان میں وہ علامتیں پائی جاتی ہیں جو نبی آخرالزماں کی ہیں۔

حرب فجار

جب آپ کا سن پندرہ سال کا تھا اس وقت قریش کی کنانہ اور قیس کے قبیلوں کے ساتھ لڑائی ہوئی جو بوجہ اس کے کہ حدود حرم میں ہوئی تھی حرب فجار کے نام سے مشہور ہوئی۔

قریش کے سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھے کہ وہ عمر اور شرف میں ممتاز ہوئے۔

بنی عبدالمطلب کے سردار زبیر تھے۔ اس لڑائی میں آپ بھی شریک تھے اور دشمنوں کے تیر چن کر اپنے چچاؤں کو دیتے تھے۔

حلف فضول حرب فجار کے بعد قریش کے قبائل بنی ہاشم، بنی اسد، بنی تیم وغیرہ نے مل کر مکہ میں قسم کھائی اور عہد کیا کہ کوئی مظلوم خواہ کسی قبیلہ کا ہو جب مکہ میں آجائے گا تو ہم اس کی امداد اور حمایت کریں گے۔ یہ حلف عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اٹھائی گئی تھی۔ آنحضرت صلعم بھی اس میں موجود تھے۔

زمانۂ رسالت میں فرمایا کہ میں خوش ہوں کہ اس معاہدہ میں شریک تھا اور آج اسلام میں بھی اگر اس قسم کا عہد کوئی کرنا چاہے تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔

اس کا نام حلف فضول اس وجہ سے رکھا گیا کہ بنی جرہم کے عہد میں بھی مکہ میں تین سرداروں نے مل کر اس قسم کی حلف اٹھائی تھی اور ان تینوں کے نام فضل تھے۔

عقد نکاح پچیسؔ سال کی عمر میں آپ کا نکاح حضرت خدیجہ کبریٰؓ کے ساتھ ہوا جو قریش کے قبیلہ اسد کے سردار خویلد کی بیٹی اور عقل خلق و ثروت میں ممتاز تھیں ان کا دستور تھا کہ اپنے تجارتی سامان پر کسی کو اجیر مقرر کر کے شام اور یمن کے بازاروں میں بھیجا کرتی تھیں۔ آنحضرتؐ چونکہ امین مشہور تھے۔ اس لئے انھوں نے درخواست کی کہ آپ میرے تجارتی مال کو لے کر جائیں۔ آپ نے منظور فرمالیا۔ اور ملک شام میں ان کا مال لے کر گئے۔ حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ بھی ہمراہ تھا۔ وہاں بہت سا نفع حاصل ہوا۔

اس سفر سے واپس آنے کے بعد حضرت خدیجہؓ نے جو بیوہ تھیں۔ خود آنحضرتؐ کے پاس اپنی لونڈی کو بھیجکر نکاح کی درخواست کی۔ آپؐ نے رضامندی کا اظہار کیا اور ابو طالب سے ذکر فرمایا۔ انھوں نے حضرت خدیجہ کے چچا کو پیغام دیا۔ دونوں طرف سے لوگ جمع ہو گئے اور نکاح ہو گیا۔ حضرت خدیجہؓ کی عمر اس وقت چالیس سال تھی۔

تجدید کعبہ

آنحضرتؐ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ قریش نے کعبہ کی عمارت کو جو سیلاب کی وجہ سے خراب ہو گئی تھی نئے سرے سے تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن پرانی دیواروں کو گرانے کی ہمت کسی کو نہیں ہوتی تھی۔ آخر ولید بن مغیرہ نے ابتدا کی اور جب لوگوں نے دیکھ لیا کہ اس کے اوپر کوئی آفت نہیں آئی تو پھر سب شریک ہو گئے۔

جن بنیادوں پر حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام نے دیواریں بنائی تھیں وہاں تک کھود کر پھر از سر نو انھیں پر تعمیر شروع کی۔ جدہ کے ساحل پر ایک رومی جہاز ٹوٹ گیا تھا اس کی لکڑی خریدی گئی اور ایک رومی نجار نے جس کا نام باقوم تھا اس کے گھڑنے کا ٹھیکہ لیا باقی تمام کام اہلِ قریش خود کرتے تھے۔

آخر میں وہ سرمایہ جو اس تعمیر کے لئے جمع کیا گیا تھا گھٹ گیا۔ جس کی وجہ سے مجبوراً عمارت کو بنیادِ ابراہیمی سے جانب شمال تقریباً چھ گز چھوٹا کر دیا گیا۔

حجر اسود

حجر اسود کے جب لگانے کا وقت آیا۔ تو قبائل میں نزاع

واقع ہوئی۔ کیونکہ ہر ایک سردار اس شرف کا خواہاں تھا کہ میں اس پتھر کو اس کی جگہ پر نصب کر دوں ۔ آنحضرت صلعم کو لوگوں نے حکم مانا آپ نے اس پتھر کو اٹھاکر ایک چادر میں رکھ دیا اور روٗسا قبائل سے کہا کہ اس چادر کے کنارے پکڑ کر اٹھائیں جس وقت وہ اپنی جگہ پہنچ گیا تو ہاتھوں سے مقام کر اس کو نصب فرمادیا۔ اس فیصلہ سے سب لوگ خوش ہو گئے اور باہمی رنجش نہیں ہونے پائی۔

حالات قبل نبوّت

اس امر میں تمام مورخ متفق ہیں کہ نبی ہونے سے پہلے آنحضرت اپنی قوم میں اخلاقی حیثیت سے ممتاز تھے۔ ان کی راست گوئی. وفا شعاری اور امانت داری مسلم تھی یہاں تک کہ ان کا لقب امین تھا۔ بہت سے لوگ اپنی امانتیں لا لا کر آپ کے پاس رکھتے تھے۔ آپ اُمّی تھے. یعنی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

ترکہ پدری سے کوئی ملکیت نہیں پائی تھی۔ اپنی کمائی اور محنت سے مزدوری کرتے تھے. جب حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح ہو گیا تو ان کے مال سے تجارت کرنے لگے جو کچھ نفع ہوتا تھا اس میں دونوں شریک تھے۔ کبھی کبھی خدیجہؓ کے علاوہ اور لوگوں کے ساتھ بھی تجارت میں شرکت کر لیتے۔

غارِ حرا میں عبادت کے لئے چلے جاتے تھے اور وہاں کئی کئی دن رہتے تھے۔

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آپؐ کے دادا عبدالمطلب بھی اس غار میں جاکر عبادت کیا کرتے تھے۔

ابتدا ہی سے بتوں سے نفرت تھی۔ بت پرستوں کے میلے اور ان کی پرستش گاہوں میں قدم نہیں رکھتے تھے نہ ان ذبیحوں کا گوشت کھاتے تھے جو بتوں پر چڑھائے جاتے تھے۔ کعبہ کا طواف اور حج کیا کرتے تھے۔ شراب سے ہمیشہ محترز رہے۔ غارِ حرا میں جو عبادت کرتے تھے اس کی کیفیت معلوم نہیں ہو سکی۔ غالباً خالق کی صفات اور مخلوق کے حالات میں غور و فکر کرتے ہوں گے۔ لیکن نبوت سے قبل حقیقت تک رسائی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ ۝

اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تیری طرف روح (قرآن) کو بذریعہ وحی کے اتارا تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔

دوسری آیت میں کہا ہے:۔

وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۝

تجھ کو پہلے سے یہ امید نہیں تھی کہ تیرے اوپر کتاب نازل کی جائے گی مگر تیرے رب نے اپنی رحمت سے قرآن نازل کیا۔

پھر ارشاد ہوا ہے۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى

اللہ نے تجھ کو بھٹکتا ہوا دیکھ کر سیدھا راستہ بتایا۔

ضال سے مراد حیرانی ہے اور ہدایت سے نبوت۔

بعثت

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو اپنے بندوں میں قوموں کی اصلاح کے لئے منتخب کرتا ہے ان کو بذریعہ وحی کے تعلیم دیتا ہے۔ یہی لوگ نبی یا رسول کہے جاتے ہیں۔

وحی لغت میں مخفی طور پر سرعت کے ساتھ کسی بات کے بتلا دینے کو وحی کہتے ہیں۔ سرعت کا مفہوم یہ ہے کہ جو بات دل میں آئے وہ ترتیب مقدمات کا نتیجہ نہ ہو۔ بلکہ ایک دم غیب سے اس کا علم ہو گیا ہو۔

انبیاء کو جس طریقے سے اللہ تعالیٰ غیب کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کی حقیقت بیان کرنے سے تمام علمی عبارتیں قاصر ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ خود انبیاء علیہم السلام کی زبان سے جن الفاظ اور عبارات میں یہ کیفیت بیان ہوئی ہے انھیں سے اقتباس کر کے اس کا ایک تصور ذہن میں قائم کیا جائے۔

اس تعلیم کے چار طریقے بتلائے گئے ہیں۔

(۱) رؤیا صادقہ۔ یعنی نیند کی حالت میں سچے خواب نظر آتے ہیں۔ ایسے خوابوں کا ذکر قدیم آسمانی کتابوں اور نیز قرآن مجید میں بھی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب ہی میں دیکھا تھا کہ وہ اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انبیاء کے خواب برحق ہیں۔ ہم لوگوں کی صرف آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ بلا واسطہ دل میں ایک بات ڈال دیتا ہے۔

(۳) نبی کو اللہ کا کلام سنائی دیتا ہے جس طرح کہ حضرت کلیم اللہ نے طور پر ندائے ربانی سنی تھی۔

(۴) اللہ تعالیٰ فرشتہ کو بھیجتا ہے وہ انبیاء کو اس کے ارادوں اور حکموں سے مطلع کرتا ہے۔

قرآن میں اس فرشتہ کو روح الامین کہا گیا ہے۔

آخری تینوں قسموں کا بیان اس آیت میں ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ
اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ط

اللہ کسی شخص سے کلام نہیں کرتا مگر بذریعہ وحی کے یا پردہ کے پیچھے سے یا اپنا قاصد فرشتہ بھیجتا ہے وہ اللہ کے حسب حکم اور حسب منشار وحی کرتا ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے اوپر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے۔ فرمایا کبھی جرس کی سی آواز آنے لگتی ہے میں ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں جو کچھ سنتا ہوں یاد کر لیتا ہوں اور کبھی فرشتہ آکر وحی سنا دیتا ہے اُس میں مجھے آسانی ہوتی ہے۔ لیکن پہلی صورت مجھ پر گراں گزرتی ہے۔

چنانچہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو آنحضرتؐ سر جھکا لیتے تھے۔ چہرہ متغیر ہو جاتا تھا اور جاڑے کے دنوں میں بھی پیشانی پر سے پسینہ ٹپکنے لگتا تھا۔

نزول وحی سے چھ ماہ قبل سے آپ کو رویائے صادقہ نظر آنے لگے۔ رات کو جو خواب دیکھتے تھے صبح اس کا ظہور روز روشن کی طرح ہو جاتا تھا۔

ابتدائے وحی

ایک دن غار حرا میں حسب معمول عبادت میں مشغول تھے کہ فرشتہ وحی لے کر آیا اور کہا کہ "پڑھ" آپ نے جواب دیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اس نے پکڑ کر اپنے سینے سے لگا کر ایسا زور سے دبایا کہ آپ بے حال ہو گئے۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ "پڑھ" پھر آپ نے وہی جواب دیا۔ تین بار اسی طرح کہا۔ آخر اس نے کہا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ

آنحضرتؐ نے ان آیتوں کو دہرایا۔ پھر وہ فرشتہ چلا گیا۔

اس غیر متوقع اور عجیب و غریب حالت کی وجہ سے آپؐ خوفزدہ ہو گئے وہاں سے لرزتے ہوئے گھر آئے۔ لیٹ گئے اور خدیجہ سے کہا کہ مجھ کو چادر اڑھادو۔

جب خوف جاتا رہا اور سکون ہوا تو خدیجہ سے اس کیفیت کا اظہار فرمایا۔ انھوں نے آپ کو تسلی دی اور کہا کہ آپ نیکی کرتے ہیں۔ صدقہ دیتے ہیں مسکینوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کریگا۔ پھر وہ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو عیسائی ہو گئے تھے۔ اور آسمانی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ ان سے یہ سارا حال بیان کیا۔ ورقہ نے کہا کہ یہ فرشتہ جس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا ہے ناموس اکبر ہے۔ یہی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔ یہ یقیناً اس امت کے نبی ہوں گے۔ ان سے کہہ دو ثابت قدم رہیں۔ ان کی قوم ان کو جھٹلائے گی۔ اذیت دے گی اور یہاں سے نکالے گی۔ میں اگر اس دن تک زندہ رہا تو ضرور ان کی مدد کروں گا۔

تاریخ نزولِ وحی

نزولِ قرآن شب قدر میں ہوا۔ شب قدر جمہور اہل اسلام کے نزدیک رمضان کے عشرہ آخر میں کوئی طاق رات ہوتی ہے۔

بعض مورخین نزولِ قرآن کی تاریخ ۲۵ ر رمضان قرار دیتے ہیں۔ قمری حساب سے اس دن آنحضرتؐ کی عمر چالیس برس چھ مہینے سولہ دن کی ہو گی اور شمسی حساب سے ۳۹ سال ۳ ماہ ۶ ایوم۔ یہ تاریخ مطابق ہو گی ۱۶ اگست سنہ ۶۱۰ء کے۔

آغاز تبلیغ | مکہ جہاں سے اسلام کی ابتدا ہوئی۔ عرب کا دینی مرکز تھا اور اہل مکہ یعنی قریش کعبہ کے متولی۔ حرم کے مجاور اور اہل عرب کی نظروں میں محترم تھے۔ ان میں اپنے آبائی دین کی غیرت اور حمیت کا جوش بہت تھا۔ اس لئے حکمتِ الٰہی کا مقتضا یہ ہوا کہ اول اول دعوتِ اسلام مخفی طور پر ہو چنانچہ آنحضرتؐ اپنے خاص واقف کاروں میں سے جن لوگوں میں حق پسندی اور نیکی دیکھتے تھے، انھیں کو اس کی طرف بلاتے تھے۔

اس زمانہ میں جو لوگ اسلام لائے وہ سابقینِ اولین کہے جاتے تھے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل چار آدمی خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں کیونکہ یہ سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔

(۱) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ ان کی عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی اور چونکہ ابو طالب کی اولاد زیادہ تھی اس لئے ان کے صرفہ کی تخفیف کے خیال سے آنحضرتؐ نے ان کی پرورش کا بار اپنے ذمہ لے لیا تھا اور اپنے پاس رکھتے تھے۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ یہ اپنی قوم قبائلِ قریش میں نہایت ہر دلعزیز، ان کے نسب ناموں اور حالات و واقعات سے سب سے زیادہ واقف اور صاحبِ ثروت و دولت تھے۔

(۴) حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ۔ یہ زید بن محمدؐ کہے جاتے تھے پہلے

حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے۔ انھوں نے آنحضرتؐ کو ہبہ کر دیا تھا آپ نے اسے متبنّٰی بنا لیا۔

حضرت ابوبکرؓ ایمان لانے کے بعد اپنے دوستوں کو بھی اس کی تلقین کرنے لگے۔ چنانچہ ان کی کوشش سے حضرت عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمان بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ، ابو عبیدہ بن جراح، ابو سلمہ، ارقم مخزومی، عبیدہ بن حارث، سعید بن زید مع اپنی بیوی فاطمہ بنت خطاب کے اسلام لائے۔ (رضی اللہ عنہم) آنحضرتؐ ان لوگوں کے ساتھ ارقم مخزومی کے گھر میں جمع ہوتے تھے اور وہاں قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ گھر مکہ میں اب تک باقی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کے تاریخی رتبہ کے مطابق اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی ہے۔

تین برس تک اسی طرح افراد میں اسلام کی تبلیغ ہوتی رہی۔ اس درمیان ایک جماعت نے اس دین کو قبول کر لیا۔ جن میں سے اکثر دل کے بعد میں بڑے بڑے کارنامے ہیں۔

اعلان دعوت

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

تم کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو کھول کر سناؤ اور مشرکین کی پرواہ مت کرو۔

اس وقت آپؐ نے علانیہ توحید کا وعظ شروع کیا۔

قریش سنکر خاموش رہے کوئی مخالفت یا تردید نہیں کی لیکن جب آپؐ نے شرک کی مذمت کی۔ اللہ کے ماسوا تمام معبودوں کو باطل کہا اور ان کے ماننے والوں اور پوجنے والوں کو گمراہ بتایا تو وہ لوگ دشمنی کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اس لئے کہ اس سے ان کے باپ دادا بھی باطل پرست قرار پائے۔ جن کو کہ وہ اپنے خیال میں دین حق پر سمجھتے تھے۔ انھیں کی پیروی اور تقلید کا دم بھرتے تھے اور انھیں کے قدم بقدم چلنے کے مدعی تھے۔

ہر ایک مصلح کو سب سے دشوار گذار جو مرحلہ پیش آتا ہے وہ یہی ہے جب وہ کوئی اصلاحی تعلیم دیتا ہے تو تقلید پیشہ قوم اپنے بزرگوں کی حمایت میں اس کی دشمن ہو جاتی ہے کہ یہ ان کی برائی کرتا ہے اور ان کو گمراہ بتاتا ہے اسی تعصب کی وجہ سے ہر قسم کی رکاوٹ ڈالتی ہے اور اصلاح کے فیض سے خود بھی محروم رہتی ہے اور دوسروں کو بھی محروم رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آبائی تقلید کو قرآن کی متعدد آیات میں مذموم قرار دیا ہے۔

کفار قریش

اہل مکہ نے آنحضرتؐ کا نہایت سختی کے ساتھ مقابلہ شروع کیا۔ یہ دیکھ کر ابوطالب نے جو گھرانے کے سردار تھے آپ کو اپنی حفاظت میں لیا۔ تاکہ کوئی شخص غیرت دینی اور شرف آبائی کی حمیت کے جوش میں اذیت نہ پہنچائے۔ اس لئے دشمنوں کو جرأت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ آپ کے اوپر

حملہ کریں کیونکہ آپ کے اوپر دست درازی کرنا خاندانی لحاظ سے تمام بنی عبدمناف سے لڑائی مول لینا تھا جو قریش کا شریف اور معزز ترین قبیلہ تھا۔

جب قریش نے دیکھا کہ ابوطالب کی پشت پناہی کی وجہ سے آپؐ محفوظ ہوگئے تو چند رؤسا ان کے پاس گئے اور کہا آپ اپنے بھتیجے کو منع کیجیے کہ وہ ہمارے بزرگوں اور معبودوں کو برا نہ کہیں۔ ہمارے دین کی مذمت نہ کریں اور نادانوں کو گمراہ نہ بنائیں اور اگر آپ ان کو نہیں روک سکتے تو ان کا ساتھ چھوڑ دیجیے۔ ہم خود انتظام کرلیں گے۔ ابوطالب نے ان لوگوں کو نرمی کے ساتھ سمجھا بجھا کر واپس کیا۔

تھوڑے دنوں کے بعد جب انھوں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ بدستور اپنے وعظ میں مصروف ہیں اور اس کہنے کا کوئی اثر نہیں ہوا تو پھر ابوطالب کے پاس گئے اور کہا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان باتوں سے روک دو ورنہ ہم سب لوگ تم سے قطع تعلق کرلیں گے۔

قوم سے قطع تعلق ابوطالب کے لئے سخت گراں تھے۔ ادھر وہ بھتیجے کو بھی نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ آنحضرتؐ کو بلا کر کہا کہ یہ تمہاری قوم آئی ہے اور مجھ سے ایسا ایسا کہتی ہے لہٰذا تم مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں برداشت نہ کرسکوں۔

آپ نے گمان کیا کہ ابوطالب میری حمایت سے دست کش ہونا چاہتے ہیں۔ اور اب وہ غالباً مجھ کو چھوڑ دیں گے۔ فرمایا کہ

اے چچا! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر لوگ میرے دائیں ہاتھ میں

سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور کہیں کہ تم اسلام
کو چھوڑ دو تب بھی میں نہیں چھوڑوں گا۔ یا تو یہ دین پھیل کر رہے گا
یا اسی کے پیچھے میری جان چلی جائے گی۔

یہ جواب اس جوش کے ساتھ دیا کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور رو پڑے۔

ابوطالب نے یہ کلام سنکر جس میں حق مضمر تھا کہا کہ جاؤ جو کچھ کرتے ہو کرو۔
میں تم کو نہیں چھوڑوں گا۔

مخالفوں کو جب اس دفعہ بھی ناکامی ہوئی تو پھر وہ عمارہ بن ولید کو لے کر
ابوطالب کے پاس گئے اور کہا کہ یہ قریش کا سب سے توانا اور خوبصورت نوجوان
ہے۔ ہم سب لوگ خوشی کے ساتھ اس کو تمہارے حوالے کرتے ہیں کہ اپنا بیٹا بنا کر رکھو۔
اور اپنے کاموں میں اس سے مدد لو۔ لیکن اس کے عوض میں اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد
کر دو کہ ہم اس کو مار ڈالیں۔ کیونکہ اس نے ہمارے آبائی دین کی مخالفت کی۔ جماعت میں
تفرقہ ڈالا۔ اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔

ابوطالب نے قریش سے کہا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میں تمہارے بیٹے کو لیکر
پالوں اور تم میرے بیٹے کو لے کر قتل کرو۔

ابوطالب نے قریش کی یہ کیفیت دیکھ کر اپنے تمام قبیلہ کو جمع کر کے آنحضرتؐ کی
حفاظت کے لئے آمادہ کیا۔ سب نے خاندانی حمیت کے لحاظ سے اسے قبول کیا۔
صرف ابولہب علیحدہ رہا۔

اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب جس کو قرآن نے "حمالۃ الحطب" کا خطاب دیا ہے۔ آنحضرتؐ کی سخت ترین دشمن تھی اور عورتوں کے مجمع میں جھوٹی جھوٹی تہمتیں تراش کر آنحضرتؐ کی طرف سے نفرت پیدا کرتی تھی۔

جب حج کا موسم آیا تو کفار قریش اس خیال سے کہ آپ کے مواعظ کا لوگوں پر اثر نہ ہو جائے۔ راستوں میں جا جا کر بیٹھے اور ہر شخص کو ڈرایا کہ مکہ میں فلاں شخص بڑا جادوگر ہے۔ اس کے پاس نہ پھٹکنا۔

حج کر کے جب لوگ اپنے اپنے قبائل میں واپس گئے تو تمام عرب میں آنحضرتؐ کا چرچا پھیل گیا۔ ابوطالب نے اس خیال سے کہ قبائل عرب آبائی دین کی حمیت سے کہیں میرے خاندان پر حملہ نہ کریں اپنا وہ قصیدہ لکھا جو بہت مشہور ہے اس میں حرم کی حرمت اور اپنے خاندان کی شرافت کا خاص طور پر ذکر کیا۔ پھر آنحضرتؐ کی دیانت اور راستبازی وغیرہ کی مدح کی اور یہ بھی ظاہر کیا کہ ہم ان پر ایمان نہیں لائے ہیں لیکن اس کے باوجود جب تک دم میں دم ہے ان کی محافظت کریں گے۔

کافروں نے آنحضرتؐ کو ہر قسم کی اذیت پہنچانی شروع کی۔ حرم میں عبادت سے روکتے تھے۔ کاہن، مجنوں، شاعر اور جادوگر کہتے تھے۔ جو لوگ اسلام لاتے تھے ان کو ان کے قبیلے والے ستاتے تھے اور ان غلاموں کو جو مسلمان ہو جاتے تھے۔ ان کے آقا ایسی ایسی دردناک سزائیں دیتے تھے جن کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ہجرتِ حبشہ

آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو اس تکلیف اور سختی میں دیکھ کر حکم دیا کہ تم لوگ ملک حبشہ میں چلے جاؤ کیونکہ وہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ پھر اللہ تعالیٰ کوئی صورت پیدا کرے گا۔ چنانچہ اس وقت دس مرد اور چار عورتوں کا قافلہ حبشہ گیا۔ پھر جو لوگ اسلام لاتے تھے وہ کفار مکہ کے ڈر سے وہیں چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حبشہ میں ان کی تعداد ایک سو ہوگئی۔ ۸۳ مرد تھے اور ۱۷ عورتیں تھیں۔ چھوٹے بچے ان کے علاوہ تھے۔ یہ لوگ قریش کے مختلف قبائل کے تھے۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا اور یہ لوگ وہاں امن اور آرام سے رہنے لگے۔

قریش نے جب دیکھا کہ ان کو حبشہ میں جائے پناہ مل گئی ہے تو انھوں نے عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن عاص کو ہدیئے اور تحفے دے کر نجاشی کی خدمت میں بھیجا کہ اس سے درخواست کریں کہ یہ ہماری قوم کے نادان لوگ ہیں۔ انھوں نے قدیمی دین کو چھوڑ کر نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ لہٰذا ان کو یہاں پناہ نہ دی جائے بلکہ عرب کو واپس کر دیئے جائیں کہ وہاں راہِ راست پر آجائیں گے۔ ورنہ یہاں کے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ان سفیروں نے حبشہ پہنچکر نجاشی کی خدمت میں تحفے اور ہدیئے پیش کئے اس کے بعد قریش کا پیغام سنایا۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا اور ان سے کیفیت پوچھی۔ حضرت جعفر بن ابی طالب نے اسلام سے قبل عربوں کی جو حالت تھی وہ بیان

کی اس کے بعد آنحضرتؐ کی کیفیت سنائی کہ انھوں نے ہم کو بت پرستی سے روکا۔ اللہ کے سامنے ہمارا سر جھکایا۔ پسندیدہ اخلاق کی طرف رہنمائی کی۔ ہماری قوم نے دشمنی کی وجہ سے ہم کو ستانا شروع کیا۔ مجبوراً ہم اپنا وطن چھوڑ کر اس ملک میں چلے آئے کہ یہاں ان کے ساتھ رہیں گے۔

نجاشی نے کہا جو کلام الٰہی تمہارے نبی پر نازل ہوا ہے اس میں سے کچھ مجھ کو بھی سناؤ۔ حضرت جعفر نے سورہ مریم کا ابتدائی حصہ سنایا وہ سنکر بہت خوش ہوا اور کہا کہ یہ کلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام دونوں ایک ہی چراغ کے نور ہیں۔

پھر ان سفیروں سے کہا کہ ایسے لوگوں کو جنھوں نے میرے ملک میں آکر میرے سایہ میں پناہ لی ہیں تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔

اس ناکامی کے بعد عمرو بن عاص نے عبداللہ بن ربیعہ سے کہا کہ اب میں ایسی تدبیر کروں گا کہ نجاشی ان کا دشمن ہو کر ان کو تباہ کر دے۔ عبداللہ نے کہا کہ تم ایسا نہ کرو۔ کیونکہ یہ لوگ آخر ہمارے بھائی بند ہیں۔ لیکن انھوں نے نہیں مانا۔ اور دوسرے دن دربار میں جا کر کہا کہ یہ مسلمان حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے۔ بلکہ بندہ کہتے ہیں۔ نجاشی نے حضرت جعفر سے پوچھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی ہے کہ "حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں" یہ سنکر نجاشی نے کہا کہ جو کچھ

تم نے کہا اس میں اور حضرت عیسیٰ کی حقیقت میں ایک تنکے کے برابر بھی فرق نہیں ہے۔

اس قول سے گو عیسائی رُہبان جو وہاں بیٹھے تھے برہم ہوئے لیکن نجاشی نے ان کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور مہاجرین سے کہا کہ تم میرے ملک میں امن سے رہو۔ پھر قریش نے جو ہدیئے بھیجے تھے واپس دے کر سفیروں کو رخصت کیا۔

ان مہاجرین میں سے بعض لوگ مدینہ کی ہجرت سے قبل مکہ میں واپس آ گئے تھے لیکن بیشتر وہیں رہے اور پھر وہاں سے مدینہ آئے۔

اس درمیان میں قریش کے دو نہایت عظیم الشان شخص اسلام لائے۔ ایک تو حضرت حمزہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور نامور شجاع تھے دوسرے حضرت عمرؓ جو مسلمان ہونے سے قبل اسلام کے بڑے مخالفین میں سے تھے ان کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کو بہت تقویت پہنچی۔

قطع تعلق

قریش جب ہر قسم کی کوشش کر کے تھک گئے اور اسلام کو روکنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکی تو انھوں نے باہم مل کر معاہدہ کیا کہ بنی ہاشم جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے سپرد نہ کر دیں۔ اس وقت تک ان سے کوئی کسی قسم کا تعلق نہ رکھے نہ ان کے ساتھ رشتہ کرے نہ ان سے ملے نہ خرید و فروخت جائز رکھے۔

یہ عہد نامہ لکھ کر خانۂ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔ سوائے ابولہب کے جو قریش کے ساتھ مل گیا تھا باقی تمام بنی ہاشم اور مسلمان مجبور ہو کر پہاڑ کے ایک درہ میں جس کا نام

شعب ابوطالب ہی چلے گئے اور دو برس سے زیادہ اس مصیبت اور تلخی کو برداشت کرتے رہے۔ کھانے کو جب کچھ نہیں ملتا تھا تو درختوں کی پتیاں کھاکر بسر کر لیتے تھے۔ آنحضرتؐ باوجود ان تکلیفوں کے رات دن تبلیغِ اسلام میں مصروف رہتے تھے۔

آخر ہشام بن عمرو۔ زہیر بن ابوامیہ وغیرہ رؤسا قریش کو بنی ہاشم کے حالِ زار پر ترس آیا۔ انھوں نے خانہ کعبہ میں جاکر باوجود ابوجہل کی مخالفت کے اس عہدنامہ کو چاک کر ڈالا۔ اس کے بعد بنی ہاشم پھر مکہ میں آکر رہنے لگے۔

وفات ابوطالب و خدیجہ رضؓ

اس درمیان میں قریش اور غیر قریش کے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے جب نبوت کا دسواں سال شروع ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب جو ان کی حمایت میں شروع سے آخر تک سینہ سپر رہے انتقال کر گئے۔ ان کے بعد ہی ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے بھی جو آپ کی سچی مشیر اور مددگار تھیں وفات پائی۔ یہ دونوں حادثے ہجرت سے تین سال قبل شوال کے مہینے میں چند ہی روز کے فاصلے سے واقع ہوئے۔

اب دشمنوں کو دست درازی کا موقع ملا۔ اور آنحضرتؐ کو ستانے لگے یہاں تک کہ ایک شخص نے آپؐ کے سر پر خاک اٹھاکر ڈال دی۔

سفر طائف

آنحضرت صلعم کو اہل مکہ کے اسلام لانے سے مایوسی ہوئی۔ اس لئے اس تلاش میں نکل پڑے کہ کوئی ایسا قبیلہ ملے جو اسلام کی حمایت کے لئے کمربستہ ہو جائے تو میں اس کے ساتھ مل کر تبلیغِ رسالت کے فرائض ادا کردں۔

اسی امید پر زید بن حارثہ کو ہمراہ لے کر طائف کی طرف گئے۔ وہاں ثقیف کے قبائل آباد تھے۔ ان کے رؤسا عبد یالیل، مسعود، اور حبیب کے سامنے اسلام کو پیش کیا لیکن ان لوگوں نے مطلق توجہ نہ کی بلکہ اپنے غلاموں اور بازار کے اوباشوں کو ابھار دیا جنھوں نے پتھر برسانے شروع کئے۔ یہاں تک کہ سرورِ عالم مع زید کے زخمی ہو کر ایک باغ میں انگور کے تختے میں پناہ گیر ہوئے۔

وہاں سے ناکامیاب مکہ میں واپس آئے، خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔ نماز پڑھی اور گھر تشریف لے گئے۔

حج کے موسم میں جو قبائل آتے تھے ان کے پاس جا کر تبلیغ اسلام کرتے تھے۔ اور ان کو کلام سناتے تھے۔ ابولہب بھی ساتھ رہتا تھا۔ وہ لوگوں سے کہتا تھا کہ یہ شخص "بے دین" ہے۔ اس کی بات کا خیال نہ کرنا۔ اس وجہ سے لوگ اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے۔ بلکہ بعض بعض قبیلے مثلاً بنی عامر اور بنی ضبیعہ سخت کلامی سے پیش آئے۔

اہلِ یثرب

اس زمانہ میں مدینہ کے دونوں قبائل اوس اور خزرج میں سخت عداوت تھی۔ خزرج کی تعداد چونکہ زیادہ تھی اس لئے اوس نے چاہا کہ ہم قریش سے مدد لیں اور خزرج کے مقابلہ کے لئے ان کو اپنا حلیف بنائیں۔ اس غرض کے لئے ان کی طرف سے ابوالحیسر انس بن رافع اور ایاس بن معاذ مکہ میں آئے۔

آنحضرت صلعم ان کے پاس گئے۔ قرآن مجید کی آئتیں سنائیں اور اسلام کی دعوت دی۔ ایاس نے کہا کہ واللہ جس کام کے لئے ہم آئے ہیں اس سے یہ بہتر ہے لیکن ابوالحیسر نے ایاس کے منہ پر سنگریزے پھینک کر کہا کہ اس کو چھوڑ دو۔ ہم کسی اور مقصد کے لئے یہاں آئے ہیں ایاس خاموش ہو گئے اور آنحضرتؐ اٹھ کر چلے گئے۔

جب یہ لوگ مدینہ میں واپس آئے تو وہاں اوس اور خزرج میں ایک سخت جنگ ہوئی جس کا نام بعاث ہے اس میں خلاف امید اوس کو فتح حاصل ہوئی۔

اس لڑائی کے بعد حج کے موسم میں خزرج کی ایک جماعت مکہ میں آئی آنحضرتؐ نے حسب عادت ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا۔ ان لوگوں نے آپؐ کا ذکر مدینے میں سنا تھا۔ نیز وہاں کے یہودیوں کی زبان سے ان کے کانوں میں یہ بات بھی پڑ چکی تھی کہ نبی آخرالزماں کے ظہور کا زمانہ قریب ہے جن کی بدولت یہود کو پھر غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ اس وجہ سے انھوں نے آپؐ کے کلام کی طرف توجہ کی اور اس سے متاثر ہو کر ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور کہنے لگے کہ یقیناً یہ وہی نبی ہیں جن کی بابت علمائے یہود پیشینگوئی کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہود ہم سے سبقت لے جائیں۔ چنانچہ وہ لوگ مسلمان ہو گئے ان کی تعداد چھ تھی۔

انھوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ ہماری قوم میں باہم عداوت اور لڑائی رہتی ہے۔ ہم جا کر ان کے سامنے اس دین کو پیش کریں گے۔ کیا عجب ہے کہ اس کی بدولت آپس میں اتحاد ہو جائے۔

بیعت عقبہ اولیٰ

ان لوگوں نے واپس آکر مدینہ میں تبلیغِ اسلام شروع کی وہاں گھر گھر آنحضرتؐ کا چرچا پھیل گیا۔ دوسرے سال حج کے موقع پر مدینہ کے بارہ آدمی پہنچے اور بیعت کی۔ آنحضرتؐ نے مصعب بن عمیر کو جو بنی عبدالدار اور سابقین اولین میں سے تھے ان لوگوں کے ہمراہ کر دیا کہ قرآن پڑھائیں اور مدینہ میں اسلام پھیلائیں۔

ان لوگوں کے اسلام اور حضرت مصعب کی تعلیم کا اہل مدینہ پر ایسا اثر پڑا کہ وہاں کے شرفاء اس دین کو قبول کرنے لگے۔ اور ان کے سردار اسید بن حضیر نیز حضرت سعد بن معاذ مسلمان ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ان کے قبائل کے بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔

حضرت اسد بن زرارہ جن کے یہاں حضرت مصعب ٹھہرے ہوئے تھے اسلام کی اشاعت میں نہایت سرگرم تھے۔ ان کی کوشش سے اوس کے گھر گھر میں لوگ مسلمان ہوتے چلے جاتے تھے۔

بیعت عقبہ ثانیہ

نبوت کے تیرھویں سال مدینہ سے بہت سے لوگ حج کے لئے آئے۔ ان میں مسلم اور غیر مسلم سب شامل تھے۔ حج کے بعد مسلمان اپنے ساتھیوں سے چھپ کر رات کو مقام عقبہ میں جہاں پہلی بیعت ہوئی تھی پہنچے وہاں آنحضرتؐ سے ملنے کا وعدہ تھا۔ تھوڑی دیر میں آپ بھی مع اپنے چچا حضرت عباس کے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے تشریف لائے۔

مدینہ کے مسلمانوں کی تعداد کل ۷۵ تھی جن میں ام عمارہ اور ام منیع دو عورتیں
بھی شامل تھیں۔

حضرت عباس نے کہا کہ:۔

"اے گروہِ خزرج! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم میں عزت اور امن کے ساتھ ہیں۔ ہم دشمنوں سے ان کے نگہبان ہیں۔ لیکن وہ اب ہم کو چھوڑ کر تمہارے ساتھ جانا چاہتے ہیں۔ تم لوگ اپنی پوری وفاداری کے ساتھ ان کی رفاقت اور حمایت کر سکو تو لے جاؤ ورنہ ابھی سے باز رہو کیونکہ یہاں وہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔

یہ سُنکر خزرج کے ایک شخص نے کہا یا رسول! آپ اللہ کے اور اپنے حقوق بیان فرمائیں کہ ہم ان کے پورا کرنے کا عہد کریں۔ آپ نے قرآن کی چند آیتیں سنائیں۔ اور پھر ارشاد کیا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ مدینہ میں اگر کوئی مجھ پر حملہ کرے تو تم اس سے میری مدافعت کرو۔

خزرج کے سردار براء نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا کہ ہاں ہم اس بات پر بیعت کرتے ہیں۔ ہم جنگ آور وفادار ہیں۔ ہمیشہ سے ہم نے لڑائیوں میں پرورش پائی ہے اور باپ دادا سے ہمارا یہی شیوہ چلا آتا ہے۔

دوسرے سردار ابو الہیثم نے کہا کہ یا رسول اللہ لوگوں کے ساتھ ہمارے معاہدے ہیں وہ اس بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا تو نہ ہوگا کہ آپ کو جب غلبہ اور

تسلط حاصل ہو جائے تو پھر آپ اپنی قوم میں چلے آئیں اور ہم کو چھوڑ دیں۔ یہ سنکر آنحضرتؐ مسکرائے اور فرمایا کہ نہیں میں تمہارا اور تم میرے۔ میرا خون اور تمہارا خون ایک ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں نے بیعت کی۔ اسعد بن زرارہ نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ سمجھتے بھی ہو کہ کس بات پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ تمام دنیا کے ساتھ لڑائی کا معاہدہ ہے۔ انصار نے کہا کہ بیشک ہم اسی پر بیعت کرتے ہیں۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے بنی اسرائیل کے نقیبوں کی طرح ان لوگوں میں سے بھی بارہ نقیب منتخب کئے۔ نو قبائل خزرج کے اور تین قبائل اوس کے تاکہ یہ لوگ اپنے اپنے قبیلہ کی طرف سے ذمہ دار ہوں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) اسعد بن زرارہؓ	بنی نجار	(خزرج)
(۲) سعد بن ربیعؓ	بنی مالک	"
(۳) عبداللہ بن رواحہؓ	بنی عمر	"
(۴) رافع بن مالکؓ	بنی زریق	"
(۵) براء بن معرورؓ	بنی سلمہ	"
(۶) عبداللہ بن عمروؓ	"	"
(۷) عبادہ بن صامتؓ	بنی غنم	"
(۸) سعد بن عبادہؓ	بنی ساعدہ	"

(۹) منذر بن عمروؓ	ایضاً	"
(۱۰) اسید بن حضیرؓ	بنی عبدالاشہل	(اوس)
(۱۱) ابوالہیثمؓ	(ایضاً)	"
(۱۲) سعد بن خیثمہؓ	بنی کعب	"

بیعت اور عہد کے مکمل ہونے کے بعد یہ لوگ اپنی فرودگاہ میں جاکر سو رہے۔ صبح کو قریش میں کچھ اس کا چرچا پھیلا وہ لوگ اہلِ مدینہ کے پاس گئے اور کہا کہ تم ہم سے لڑنے کے لئے محمد (صلعم) کو مکہ سے نکال کرلے جانا چاہتے ہو۔ مدینہ کے مشرکین جو اس واقعہ سے بے خبر تھے قسم کھاکر کہنے لگے کہ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ عبداللہ بن اُبی نے جو مدینہ کا سردار تھا اور اسلام نہیں لایا تھا کہا کہ بھلا ایسا ہوتا تو ہم کو خبر نہ ہوتی۔ کئی روز کے بعد قریش کو یقینی علم ہوا۔ لیکن اہلِ مدینہ جاچکے تھے۔

اس بیعت کے بعد جو لوگ اسلام لاتے تھے آنحضرتؐ ان کو مدینہ بھیج دیتے تھے کیونکہ وہاں ان کے حامی اور مددگار بھائی مسلمانوں کی ایک جماعت موجود تھی اب بجز ان لوگوں کے جن کو مکہ کے کفار زبردستی سے روک لیتے تھے تمام مسلمان وہیں پہنچنے لگے۔

مشورۂ قتل

جب کفارِ مکہ نے دیکھا کہ مدینہ کے لوگ آنحضرتؐ کے پیرو ہوگئے مسلمانوں کا اجتماع وہاں ہو رہا ہے اور ان کی طاقت دن بدن بڑھ رہی ہے تو ان کو خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مکہ سے نکل کر ان سے جا ملیں اور اپنی طاقت بڑھا کر ہم سے جنگ کریں۔ اس لئے دارالندوہ میں جمع ہوکر مشورہ

کرنے لگے کہ کیونکر اس کا انسداد کیا جائے۔

کسی نے کہا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لوہے کی بیڑیاں پہنا کر ایک محفوظ مکان میں بند کر دیں تاکہ وہ کہیں نہ جا سکیں۔ ایک سن رسیدہ شخص بولا کہ یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ جب اس کی خبر ان کے ساتھیوں کو ہوگی تو وہ دروازہ توڑ کر نکال لے جائیں گے۔ اور پھر ان کے ساتھ سے ایک بڑی جمعیت فراہم کر کے تم سے انتقام لے لیں گے۔

دوسرے نے کہا کہ ہم ان کو مکہ سے ذلیل و خوار کر کے نکال دیں۔ پھر وہ ہمارا کیا کریں گے۔ اسی بڈھے نے کہا کہ اس صورت میں بھی وہی قباحت ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ اس شخص کی شیریں بیانی اور خوش بیانی کا کیا عالم ہے کہ لوگوں کے دل مسخر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی قبیلہ ایسا نہ ہوگا کہ ایسے کلام کو سننے اور ماننے کے لئے تیار نہ ہو جائے۔ پھر تم مدافعت کی طاقت کہاں سے لاؤ گے؟

ابو جہل نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک ممتاز جوان چن کر ان کے ہاتھوں میں تلواریں دیں۔ وہ سب کے سب جا کر ایک ساتھ ان کے اوپر وار کریں۔ اسی صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہو جائے گا۔ پھر بنی عبد مناف کو یہ جرأت نہ ہو سکے گی کہ وہ سارے قبیلوں سے لڑائی کریں۔

اسی رائے پر اتفاق ہوا۔ مکہ کے تمام قبائل سے ایک ایک جوان منتخب کیا گیا اور ایک رات متعین کر کے ان سے کہہ دیا گیا کہ اس میں وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر کے پاس جمع رہیں۔ جس وقت وہ صبح کو باہر نکلیں تو سب مل کر ایک ساتھ ان کو

ٹوٹ پڑیں۔ اور قتل کر ڈالیں۔

ہجرت آنحضرت صلعم کو دشمنوں کے ان تمام مشوروں کا علم ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکہ چھوڑ دینے کا حکم ملا۔ آپؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مکان پر گئے۔ ان سے اس کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے رفاقت کی درخواست کی جس کو آپؐ نے قبول فرمایا۔ اس کے بعد دو سواریاں ہیا کیں۔ اور ایک راہبر تلاش کیا کہ قریب ترین راستہ سے مدینہ پہنچا دے۔ اور طے پایا کہ جس رات کو قریش نے قتل کے لئے معین کیا ہے اسی رات کو مکہ سے نکلیں۔

جب وہ رات آئی تو اس خیال سے کہ مشرکین کو یہ شبہ نہ ہو کہ آپؐ گھر میں نہیں ہیں۔ حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلا دیا۔ اپنی چادر اڑھا دی اور ان سے کہا کہ تم یہاں رہ کر ان امانتوں کو جو لوگوں نے میرے پاس رکھی ہیں ادا کر دینا اور اس کے بعد مدینہ کو چلے آنا۔

رات کو حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے مکان کی ایک کھڑکی سے نکل کر مع ان کے جبل ثور کے ایک غار میں جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے جا کر چھپ رہے۔

جوانانِ قریش اِدھر رات بھر مکان کے ارد گرد گھومتے رہے اور منتظر تھے کہ جب نکلیں گے تو وار کریں گے۔ لیکن صبح ہونے پر ان کو معلوم ہوا کہ وہاں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بجائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں فوراً آکر قریش کو خبر دی

انھوں نے ہر طرف آنحضرتؐ کی تلاش میں سوار اور پیدل دوڑائے اور یہ اعلان کیا کہ جو شخص ان کو مردہ یا زندہ کسی حالت میں لائے اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے جائینگے یہ لوگ چاروں طرف دوڑ کر تھک گئے اور نامراد واپس آئے۔

آنحضرتؐ مع ابوبکرؓ کے تین دن تک اس غار میں رہے۔ عبداللہ بن ابوبکرؓ اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ لیکن دن بھر مکہ میں کفار کے ارادوں اور مشوروں کا پتہ لگاتے تھے اور شام کو غار میں آکر سنا دیتے تھے۔ حضرت اسمار بنت ابوبکرؓ رات کو کھانا تیار کر کے وہاں لے جایا کرتی تھیں، اور حضرت ابوبکرؓ کا چرواہا عامر بن فہیرہ سویرے اپنی بکریاں لے کر پہنچتا تھا اور دودھ پلاتا تھا اس کے ریوڑ سے عبداللہ اور اسمار کے نقشِ قدم بھی مٹ جاتے تھے۔

تین دن کے بعد عبداللہ بن اریقط راہبر دو ناقے لئے ہوئے رات کو وہاں پہنچا۔ ان کے اوپر سوار ہو کر مدینہ کو روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے چرواہے کو بھی اپنے پیچھے اونٹنی پر بٹھا لیا کہ راستے میں آنحضرتؐ کی خدمت کرے گا۔

قریش کے خطرے سے عام راستہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کی۔ یوم دوشنبہ ۸ ربیع الاول مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو جب آپ کی عمر ۵۳ سال کی تھی، قبار میں جو مدینہ کے متصل ہے پہنچے اور بنی عمرو بن عوف کے مہمان ہوئے۔

تعلیماتِ مکّیہ

ابتدائے رسالت سے قبا کے پہنچنے تک کا کل زمانہ بارہ برس پانچ مہینے اکیس دن ہے۔ یہ سب آنحضرتؐ کے قیامِ مکہ کا زمانہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس اثنا میں ۹۳ سورتیں نازل ہوئیں جو قریب دو ثلث قرآن کے ہیں۔

مکہ میں چونکہ قرآن کے مخاطب سخت ترین کفار تھے۔ اس لئے وہاں جزئی احکام نہیں نازل ہوئے بلکہ وہ کلی امور بیان کئے گئے ہیں جو زیادہ تر تزکیۂ قلب رجوع الی اللہ اور عقائد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور تمام عالم کی مصلحت کے لحاظ سے ہر عہد اور ہر دین میں یکساں مسلّم رہے ہیں۔

سورہ شوریٰ کی یہ آیت مکی شریعت کی اصل روح ہے۔

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ

اللہ نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ ٹھہرایا ہے جس کا اس نے

نوحؑ کو حکم دیا تھا۔ اور تجھ کو بھی ہم نے اسی کی وحی کی ہے اور اسی کا
ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو بھی حکم دیا تھا کہ اس دین کو قائم
رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

اسی طرح سورۂ انعام میں انبیاء سابقین کے نام لے کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ

یہی (اگلے پیغمبر) وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے راہ دکھائی۔ تو بھی
انہیں کی ہدایت کی پیروی کر۔

یہی سبب ہے کہ سورۂ حج میں دینِ اسلام کو ملتِ ابراہیمی فرمایا۔ کیونکہ حضرت
ابراہیم ابوالانبیاء تھے۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ
قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا

تمہارے لئے اللہ نے وہی دین تجویز کیا جو تمہارے باپ ابراہیم کا تھا
اسی اللہ نے اگلی کتابوں میں پہلے سے تمہارا نام مسلمان رکھا۔ اور
اس میں بھی۔

آیاتِ مکیہ کی اہم تعلیمات یہ ہیں۔

توحید

قرآن مجید نے بتایا کہ بنی نوع انسان کا فطری دین یہ ہے کہ وہ
اکیلے اللہ کو تنہا رب مان کر اسی کے آگے سر جھکائے۔ اور یہی

دین اسلام ہے۔

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥

تو ایک طرف کا ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف کر لے یہ اس فطرت کے مطابق ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

اسی بات کو دوسری آیت میں اس طرح سمجھایا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا

(روز ازل) جب تیرے رب نے بنی آدمؑ کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور خود انہیں کو ان کے اوپر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں

انھوں نے کہا کہ ہاں ہم گواہ ہیں۔

الغرض رب کی توحید کا اقرار یہی فطرتی دین ہے جو بنی نوع انسان کیلئے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اور یہی اصل اسلام ہے۔ جتنے نبی اور رسول دنیا میں آئے سب کی یہی تعلیم تھی کہ اکیلے اللہ کو مانو۔ اسی کی رضا طلب کرو۔ وہی پیدا کرنیوالا۔

جلانے والا اور مارنے والا ہے۔ اور وہ ہی تمہارے اعمال کی جزا اور سزا دے گا۔
لیکن جہالت اور کم عقلی کی وجہ سے بعض لوگوں نے اس معبود حقیقی کو چھوڑ کر اس کی قدرت کے مظاہر مثلاً سورج، چاند، سمندر، اور پہاڑ وغیرہ کو دیوتا سمجھ کر پوجنا شروع کیا۔ بعضوں نے فرشتوں یا رسولوں کو اس کی اولاد قرار دیا۔ اور ان کی عبادت کرنے لگے۔ اور بعضوں نے ان کی ذات کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے بڑے بڑے اولیاء، اور انبیاء، کو جن سے غیر معمولی باتوں کا ظہور ہوا تھا اپنا مرجع بنایا کہ ان کے توسط سے اللہ تک رسائی حاصل کریں۔ ان میں سے کسی نے ان بزرگوں کے بت تراش کر ان کی پرستش شروع کی۔ کسی نے ان کی قبروں پر نذر و نیاز چڑھا کر ان کی خوشنودی کو رضائے الٰہی کا ذریعہ قرار دیا اور اپنے خالق کے درمیان ان کو واسطہ بنایا۔ اس طرح پر شرک دنیا کی قوموں میں پھیل گیا۔

سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدہ کو بیان کیا ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ط

یہ لوگ اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ اور قائل ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کریں گے۔

اس کی تردید میں سورہ فاطر میں فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ط
اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا
لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ۔

اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو۔ وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔ اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور جو سنتے بھی تو جواب نہ دیتے اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔

پھر یہی صفت بیان کرتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ
فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ ط

ساری حمد اللہ کے لئے ہے جس کی نہ اولاد ہے نہ اس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے نہ وہ کمزور ہے کہ اس کا کوئی مددگار ہو۔

دوسری آیت میں فرمایا۔

اِنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

تمہارا اللہ تو بس ایک ہی اللہ ہے

یہ تو معلوم ہے کہ اہلِ عرب بالعموم مشرک اور بُت پرست تھے۔ اور باطل معبودوں کی تعظیم و عبادت میں ان کو بڑا انہماک تھا۔ قرآن مجید نے ان کے

سامنے توحید پیش کرکے تصریحاً اشارتاً اور کنایتاً متعدد اور مختلف اسلوب سے اس کی نہایت پختہ اور مضبوط دلیلیں بیان کیں اور شرک کی برائیاں اور خرابیاں دکھائیں گذشتہ قوموں کے واقعات پیش کئے۔ اور دکھایا کہ شرک کے کیا کیا برے نتیجے انھوں نے اٹھائے۔ اور توحید کی بدولت کیسی کیسی آسمانی رحمتیں ان پر نازل ہوئیں اور دنیاوی برکتیں ملیں۔

ان مضامین کو بار بار اس کثرت سے دہرایا کہ معمولی سے معمولی عقل کو بھی ان میں شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ کیونکہ جب کوئی مضمون متعدد طریقوں اور مختلف عبارتوں میں دہرایا جاتا ہے تو طبائع اور نفوس بشریہ پر اس کا اثر اور نقش گہرا اور پختہ ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ حضرت موسیٰ اور فرعون کے قصہ کا ذکر قرآن میں ہے مشکل سے کوئی مکی سورۃ ایسی ملے گی جو اس سے خالی ہو۔ کیونکہ بنی اسرائیل بھی جاہل عربوں کی طرح بت پرستی اور شرک کے شیدائی تھے اور فرعون جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا توحید الہٰی کا سخت ترین دشمن تھا۔ اس کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ نے آسمانی تعلیم پیش کی۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے صفات کو روشن دلیلوں سے ثابت کیا اور معجزوں اور نشانیوں سے اپنے رسولِ برحق ہونے کا ثبوت دیا انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی عطا فرمائی۔ بنی اسرائیل کو توحید کی بدولت غلامی اور سختی سے رہائی بخشی۔ اور فرعون اور اس کے لشکر کو حق کی دشمنی کی وجہ سے سمندر

میں غرق کردیا۔

یہ مثال چونکہ آنحضرت صلعم اور ان کی قوم کے حسب حال تھی۔ اس لئے اس کو قرآن نے بار بار الگ الگ نوعیتوں سے سمجھایا۔

اسی طرح خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ جن کو عرب نہ صرف اپنا باپ بلکہ دین کا پیغمبر اعظم تسلیم کرتے تھے۔ کئی طرح سے دہرایا۔ ان کی توحید خالص، بتوں سے نفرت، بت شکنی اور بت پرستوں سے علیحدگی۔ یہاں تک کہ باپ اور خاندان سے بوجہ ان کے مشرک ہونے کے قطع تعلق کر لینے کا حال تصریح کے ساتھ بیان کیا۔

نیز دیگر انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کی مثالیں دے دے کر توحید کا نفع اور باطل پرستی کا نقصان ذہن نشین کیا۔ بتوں کے اوپر جو ذبیحے چڑھائے جاتے تھے ان کو رد کیا اور جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کا کھانا حرام کر دیا۔ یہاں تک کہ شریعت نے ہر ایک کام میں خواہ وہ چھوٹا سے چھوٹا کیوں نہ ہو بسم اللہ کہنے کا حکم دیا تاکہ باطل معبودوں کا خیال کبھی دل میں نہ آنے پائے اور شرک قطعاً مٹ جائے۔

یہی وجہ تھی کہ صورت گری اور بت تراشی کا بھی دروازہ بند کر دیا۔ کیونکہ شرک دنیا میں سب سے زیادہ خطرناک گناہ ہے اور اس کی طرف طبائع انسانی کا رجحان بہت جلد ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے تمام ذرائع کا انسداد لازمی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ حدیبیہ میں جس درخت کے نیچے آنحضرتؐ نے بیعت رضوان لی تھی۔

اس کی لوگ تعظیم کرنے لگے تو فوراً اس کو کٹوا کر اس کی جڑ کا نشان تک مٹا دیا۔

نبوّت قرآن مجید نے اس مسئلے کو مدلل اور مصرح بیان کیا کہ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے نبی آتے رہے ہیں ان میں سے کسی کسی پر آسمانی کتابیں بھی نازل کی گئیں۔ گذشتہ انبیاء کے حالات سنائے۔ صحف ابراہیم توریت وانجیل وزبور کی مثالیں دیں اور یہ بتلایا کہ فرشتے انسانوں کی رہنمائی کے لئے مامور نہیں کئے جاتے بلکہ آدمیوں ہی میں سے جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے منتخب کر کے پیغمبر مقرر کرتا ہے اور فرشتہ کے ذریعہ سے اس پر وحی بھیجتا ہے۔

ہر نبی کے قصہ میں یہ بھی ظاہر کر دیا کہ ہدایت خلق سے ان کا کوئی دنیاوی مطلب نہیں تھا اور نہ وہ کسی اجر کے طالب تھے بلکہ خاص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے اس کے حکم کے مطابق اس فرض کو ادا کرتے تھے۔

انبیاء کی شناخت کے لئے ان کی حق پرستی اور حق جوئی کو دلیل ٹھہرایا اور یہ بھی بتلایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف سے معجزے بھی دیتا ہے اور ہمیشہ ان کی مدد کر کے دشمنوں پر ان کو غلبہ عطا کرتا ہے۔

خود آنحضرتؐ کو دیکھو کہ وہ اور ان کے پیرو زبردست کافروں سے مغلوب اور خستہ حال تھے اور ان کے ہاتھوں سے ہر قسم کی سختیاں اٹھاتے تھے لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری کامیابی کا یقین دلایا گیا تھا اور قرآن پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔

وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعۡدَ حِيۡنٍ ؏

عنقریب اس کا انجام تم کو معلوم ہو جائے گا۔

دوسری آیت ہے۔

فَقَدۡ كَذَّبُوۡا فَسَيَاۡتِيۡهِمۡ اَنۡۢبٰٓـؤُا مَا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ؏

انھوں نے جھٹلایا تو ہے مگر عنقریب اس عذاب کی حقیقت انکو معلوم ہو جائے گی جس کی ہنسی اڑایا کرتے تھے۔

پھر فرمایا۔

سَيُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَيُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ؏

عنقریب یہ گروہ شکست کھا جائے گا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا۔

آخر قرآن کا ایک ایک لفظ پورا ہو کر رہا۔

روز جزا قرآن نے یوم الحساب کے عقیدہ کا بار بار تصریح کے ساتھ ذکر کیا کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس دن ہر شخص کا حساب لے گا۔ دنیا میں جو کام جس نے کئے ہیں وہ اس کے آگے آئیں گے نہ ایک ذرہ کے برابر نیکی چھوٹے گی نہ بدی۔ جس کا نیکی کا پلہ بھاری ہو گا وہ جنت میں جائے گا اور جس کا بدی کا پلہ نیچا رہے گا وہ جہنم میں گرے گا۔ گنہگاروں کو مایوسی اور ناامیدی سے نکلنے کے لئے توبہ اور استغفار کا دروازہ کھلا رکھا اور فرمایا۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

ہمارے بندوں سے کہہ دے جنہوں نے گناہ کر کے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں کیونکہ اللہ تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اخلاقِ حسنہ اللہ تعالیٰ نے ان اخلاق کو جو اس کے نیک بندوں میں ہونے چاہئیں جابجا بیان کیا۔ سورہ اسریٰ میں والدین کی تکریم اور اولاد پر شفقت کرنے کی ہدایت کی۔ اور بہت سی پند و حکمت کی باتیں سکھائیں۔ سورہ فرقان کے آخری رکوع میں اپنے بندگانِ خاص کے اوصاف مثلاً حلم، وقار اور متانت وغیرہ کا ذکر فرمایا۔

اس موضوع کی تفصیل تاریخ کی حدود سے خارج ہے۔ تاہم اس قدر کہنا ضروری ہے کہ قرآن مجید کو غور سے دیکھا جائے تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و آداب اور سیرت کا بہترین مرقع رہی ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ کا عمل اسی تعلیم کا نمونہ تھا۔

عبادات قرآن میں وہ عبادتیں بھی بیان کی گئی ہیں جن کے بجالانے سے بندہ کا تعلق معبود کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ مثلاً نماز اور صدقہ وغیرہ مکی آیتوں میں نماز کی پابندی اور اس کے ادا کرنے کے احکام نازل ہوئے اور

چونکہ یہ عبادت عملی ہے اس لئے کتاب اللہ نے جزئیات کی تصریح نہیں کی بلکہ آنحضرتؐ نے خود اس کے ادا کرنے کا طریقہ بتایا۔ اور اپنے عمل سے اس کی تفصیل کی جوامت میں آج تک نسلاً بعد نسلٍ متواتر چلی آتی ہے۔

قرآن نے نماز کو تزکیہ نفس کا ذریعہ قرار دیا۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِط

نماز بے حیائی کے کاموں اور ناشائستہ حرکتوں سے روکتی ہے۔

اور جو لوگ اس میں کوتاہی کریں ان کو عذاب کا مستحق بتایا۔

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ

ان نمازیوں کی بڑی تباہی ہے جو اپنی نماز کی طرف سے غفلت کرتے ہیں

مکہ میں نماز کا حکم کب سے ہوا؟ اس میں اختلاف ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ شبِ معراج میں جب آنحضرتؐ ملاءِ اعلیٰ میں تشریف لے گئے تھے پنج وقتہ نماز فرض ہوئی۔ اس لئے اس موقع پر ہم معراج کا مختصراً ذکر کرتے ہیں۔

معراج

اس لفظ کے معنی ہیں زینہ یا سیڑھی کے۔ لیکن عرف میں اس سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا عروج ملاءِ اعلیٰ پر مراد لیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی سورۂ اسریٰ کی پہلی آیت میں اس کا ذکر ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا۔ط

وہ اللہ (عیب سے) پاک ہے جو راتوں رات اپنے بندے (محمدؐ) کو مسجد
حرم سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ
ہم اپنی قدرت کی چند نشانیاں اس کو دکھائیں۔

یہ سورۃ مکی ہے اور مورخین بھی متفق ہیں کہ یہ واقعہ مکہ میں ہوا۔ ٹھیک وقت منضبط نہیں بعض لوگ اس کو سنہ ۱۲ نبوی کا واقعہ بتلاتے ہیں۔

آنحضرتؐ نے اس رات کی صبح کو اپنی قوم سے اس کی کیفیت بیان کی وہ لوگ بہت متعجب ہوئے۔ بعضوں نے مذاق اڑانا شروع کیا۔ لیکن مسلمان ایمان لائے سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے اس کی تصدیق کی۔ اور اسی دن صدیق کا لقب پایا۔ مشرکین نے تکذیب کی اور بعض مذبذب عقیدہ کے مسلمان فتنہ میں پڑ کر مرتد ہو گئے۔

علماء نے اس کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔ امیر معاویہ نے کہا کہ یہ ایک رؤیا صادقہ تھا جس کو آنحضرتؐ نے دیکھا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ جو اگرچہ زمانۂ معراج میں آنحضرتؐ کی زوجیت میں نہیں تھیں۔ لیکن عہد صحابہ میں آپؐ کے حالات سے سب سے زیادہ باخبر تھیں انھوں نے فرمایا کہ معراج روحانی تھی کیونکہ اس رات کو آپ کا جسم اطہر ام ہانی کے گھر میں اپنی جگہ پر تھا۔

ان دونوں قولوں کا نتیجہ ایک ہی ہے۔ یعنی یہ کہ اس روحِ اعظم کو رؤیا میں وطن سے دور مسجد اقصیٰ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چند نشانیاں دکھائیں اس خیال کے لوگ اپنی تائید میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

"وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنَاكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ط"

جو خواب ہم نے تجھ کو دکھلایا اس کو لوگوں کے ایمان کی آزمائش کا ذریعہ ٹھہرایا۔

کیونکہ امام حسن بصری جو حدیث معراج کے راوی ہیں وہی خود کہتے ہیں کہ یہ رویا والی آیت اس کے متعلق نازل ہوئی۔

لیکن جمہور اہل اسلام جسمانی معراج کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ خواب میں واقع ہوئی تھی تو پھر مشرکین کی تکذیب اور کمزور مسلمانوں کے ارتداد کی کوئی وجہ نہیں تھی اس لئے کہ خواب میں زمین سے آسمان تک دیکھنا اور سیر کرنا کوئی عجیب وغریب بات نہیں ہے۔

محققین اہل تاریخ زیادہ تر حضرت عائشہؓ اور امیر معاویہ کی رائے کی طرف مائل ہیں۔ اس وجہ سے نہیں کہ وہ انبیاء سے اس قسم کے معجزے اور غیر معمولی واقعہ کے صدور کو بعید از قیاس سمجھتے ہیں بلکہ جسمانی معراج کے ثبوت میں تاریخی شہادت کی کمی پاتے ہیں۔

امیر معاویہ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کا علانیہ یہ کہنا کہ یہ رویاء صادقہ تھا اور صحابہ میں سے کسی کا اس کی مخالفت نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ لوگ بھی اس کو ایسا ہی سمجھتے ہیں ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ اس کی تردید نہ کرتے۔ مزید برآں یہ کہ

امام حسن بصری نے رویا والی آیت کو اسی کے متعلق کہا۔ یعنی واقعہ اسراء کو رویا قرار دیا۔ اور ان کے سامنے بھی کوئی انکار کے لئے کھڑا نہ ہوا۔

قرآن مجید سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ رات کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک اپنی قدرت کے عجائبات دکھلائے چونکہ یہ بات مسلم ہے کہ انبیاء کی نیند اور بیداری یکساں ہے لہذا آنکھوں کے معائنہ سے روحانی مشاہدہ کو کم نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اس لئے رویا قرار دینے پر بھی آیت کے معنی بالکل صحیح رہتے ہیں۔

رہا مشرکوں کا تعجب اور مذاق اڑانا تو وہ دشمن اور بدخواہ لوگ تھے۔ ذرا سی بات سن پاتے تھے تو اس کو بڑھا چڑھا کر عوام کو برگشتہ کرنے کے لئے طرح طرح سے بیان کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ کا یہ فرما دینا کہ آج کی رات بیت المقدس میں مجھ کو اللہ کی نشانیاں دکھائی گئیں۔ ان کی شورش اور گرمیٔ ہنگامہ کے لئے بہت تھا۔ ان کا رویہ، تو خود قرآن میں ایک جگہ بیان کیا گیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝

یہ کافر باہم کہتے ہیں کہ اس قرآن کو مت سنو اور سنانے لگیں تو بیچ میں غل مچا دیا کرو۔ اس تدبیر سے تم بازی لے جا سکو گے۔

امام مغازی ابن اسحاق دونوں قسم کے اقوال کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

واللہ اعلم ان میں سے کون سا قول صحیح ہے۔ بہرصورت جو کچھ دیکھا اور جس طرح پر دیکھا خواہ نیند میں یا بیداری میں وہ سچ ہے اور برحق ہے۔ آمنا وصدقنا۔

قانون اساسی اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کے لئے قرآن کریم کو قانون اساسی اور دستور العمل قرار دیا۔ فرمایا۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ۔

یہ کتاب جو ہم نے اتاری ہے مبارک ہے تم اس پر چلو۔

سورۂ اعراف میں حکم دیا۔

اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا

مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَآءَ ط

تم اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کے پاس سے تمہاری طرف اترا ہے اور اس کے سوا دوسرے اولیاء کی پیروی نہ کرو۔

قرآن سے پہلے جتنی آسمانی کتابیں نازل ہوئی تھیں ان سب میں ان کے ماننے والوں نے تحریف کر ڈالی تھی۔ لیکن چونکہ اسلام آخری اور مکمل دین ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی حفاظت اپنے ذمہ لی اور وعدہ فرمایا کہ

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

ہم نے ہی قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

اور اعلان کر دیا کہ قیامت تک وہ محفوظ رہے گا۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ
يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ

اور قرآن بڑی معزز کتاب ہے۔ جھوٹ نہ اس میں آگے سے شامل
ہو سکے گا نہ پیچھے سے۔

اس کے الفاظ میں بھی کوئی تغیر و تبدل نہ ہو سکے گا۔

سورہ کہف میں ہے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ
وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ط

تیرے رب کی جو کتاب تجھ پر وحی سے اتاری گئی ہے اس کو سنا دے کوئی
اس کے کلمات کا بدلنے والا نہیں اور اس کے سوا تجھے ہرگز کوئی راستہ نہیں ملیگا۔

قیام مدینہ

آنحضرتؐ قبا میں چار روز ٹھہرے اسی درمیان میں وہاں ایک مسجد کی بنیاد
ڈالی جو آج بھی مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔ جمعہ کے دن ۱۲ ربیع الاول مطابق
۲۴ ستمبر ۶۲۲ء کو وہاں سے روانہ ہو کر مدینہ پہنچے۔

جس قبیلہ پر سے گذر ہوتا تھا وہ درخواست کرتا تھا کہ ہمارے یہاں فروکش

ہوں۔ بعض لوگوں نے ناقہ کی مہار تھام لی۔ لیکن سرورِ کائنات نے فرمایا کہ چھوڑ دو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم مل چکا ہے۔ جہاں مجھے اترنا ہے وہاں یہ خود بخود ٹھہر جائے گی۔

جب بنی مالک بن نجار کے محلے میں پہنچے تو اس مقام پر جہاں اب مسجد نبوی کا دروازہ ہے اونٹنی خود بخود بیٹھ گئی لیکن آنحضرتؐ اس کی پشت سے نہیں اترے اس لیے کھڑی ہو گئی۔ تھوڑی دور آگے جا کر پھر پلٹی اور اسی جگہ جہاں پہلے بیٹھی تھی بیٹھ گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتر پڑے اور فرمایا کہ انشاء اللہ یہی ہماری منزل ہو گی۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے کجاوہ اتارا اور لے جا کر اپنے مکان میں رکھا۔ آپ انھیں کے ہاں مہمان ہوئے۔

مہاجرین میں سے ایک ایک شخص کو لے کر ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ وہ ان کے گھروں میں رہنے لگے۔ انصار نے ان کے ساتھ بالکل حقیقی بھائیوں کی طرح سلوک کیا۔ بعضوں نے اپنی ملکیت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ان سے کہا کہ ان میں سے تم کو جو پسند آئے لے لو۔ بعض نے یہاں تک کیا کہ اپنی دو بیویوں میں سے ان کو اختیار دیا کہ جس کو چاہو پسند کر لو۔ میں اس کو طلاق دے دوں۔

جہاں اونٹنی بیٹھی تھی وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی جن کے نام سہل اور سہیل تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کے اولیاء سے قیمتاً خرید کر وہیں مسجد تعمیر کی اور اس کے ارد گرد

اپنے رہنے کے لئے حجرے بنوائے، جب وہ تیار ہو گئے تو ابو ایوب کے مکان سے اٹھ کر انہیں میں آ گئے۔

مدینہ میں سب سے پہلا کام آپؐ نے یہ کیا کہ وہاں آس پاس جو یہود موجود تھے ان کے ساتھ عہد نامے کئے، جن میں متعدد شرطیں تھیں۔ منجملہ ان کے یہ تھی کہ دشمنوں کے مقابلہ میں ہر ایک دوسرے کی مدد کرے گا۔ کسی فریق کے دین و جان و مال سے دوسرے فریق کو تعرض نہ ہوگا۔ جانبین میں باہم اگر کوئی نزاع پڑے گی تو اس کا فیصلہ آنحضرتؐ کے ہاتھ میں رہے گا۔ اور یہود قریش کو یا ان کے حلیفوں کو پناہ نہ دیں گے۔ وغیرہ

اس معاہدہ کے بعد آپؐ تبلیغ رسالت کرنے لگے۔ اور اسلام کی ترقی کا دور شروع ہوا۔

ہم آنحضرتؐ کے مدینہ کے کاموں کو تین جداگانہ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں دشمنوں کا مقابلہ۔ تعلیم شریعت اور اخلاق نبویؐ۔ اور اسی ترتیب کے ساتھ ان کو لکھتے ہیں تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

دشمنوں کا مُقابلہ
یعنی
مَغازی و سَرایا

مدینہ چلے آنے کے بعد قریش مسلمانوں کے اور بھی سخت دشمن ہو گئے۔ انھوں نے ان کی اس تمام ملکیت کو جس کو یہ مکہ میں چھوڑ آئے تھے قبضہ کر لیا۔ اور اگر کوئی مسلمان حج یا عمرہ کے لئے وہاں جاتا تو اس کو روکتے۔ نیز مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری میں مصروف ہوئے۔

مدینہ کا سب سے بڑا رئیس عبد اللہ بن اُبی تھا۔ آنحضرتؐ کی ہجرت سے چند ماہ پیشتر ان کو وہاں کے لوگ بادشاہ بنانے والے تھے۔ اور اس کے لئے تاج تیار کرایا گیا تھا۔ قریش نے اس کو لکھا کہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے شہر میں کیوں پناہ دی۔ یا تو ان کو وہاں سے نکال دو۔ نہیں تو ہم تم سے لڑیں گے۔

چونکہ مدینہ کے زیادہ تر لوگ مسلمان ہو چکے تھے اس لئے عبد اللہ کو یہ جرأت

نہ ہو سکی کہ وہ قریش کے حکم کی تعمیل کرتا۔ مگر وہ اس کو برابر اکساتے اور دھمکاتے رہتے تھے۔ نیز اردگرد کے یہود کو بھی مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنے میں کمی نہیں کرتے تھے۔

قریش کی ان مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں سے مدینہ کے مسلمان خطرے میں رہتے تھے۔ آنحضرتؐ خود راتوں کو اکثر جاگتے تھے۔ اور بعض بعض قوی دل مسلمانوں کو پہرہ دینے کے لئے مقرر کرتے تھے۔ کیونکہ یہ خوف رہتا تھا کہ رات کو مدینہ پر کسی طرف سے حملہ نہ ہو جائے۔

قریش کا قافلہ تجارت کے لئے ہر سال ملک شام کو جایا کرتا تھا۔ اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ مدینہ چونکہ راستے میں تھا اس لئے مسلمانوں نے یہ سوچا کہ ان کی اس تجارت کو روک دیں تاکہ وہ عاجز ہو کر صلح کر لیں۔ اسی بنیاد پر جب قریش کے قافلہ کے آنے جانے کا پتہ لگتا تھا تو کبھی خود آنحضرتؐ مع صحابہ کے ان کو روکنے کے لئے جاتے تھے اور کبھی کوئی دستہ کسی امیر کے ہمراہ بھیج دیتے تھے۔ نیز قریش کے حالات کے تجسس کے لئے بھی دس دس بیس بیس مسلمانوں کی ٹکڑیاں جایا کرتی تھیں۔

مورخین نے یہ اصطلاح مقرر کی ہے کہ جس یورش میں آنحضرتؐ خود شریک ہوئے اس کو غزوہ اور باقی کو سریہ کہتے ہیں۔

پہلی بار قریش کے تعاقب میں ۱۲ ؍ صفر ۲ ھ کو نکلے اور مقام ودان تک

تشریف لے گئے۔ جو مدینہ سے ساٹھ میل پر ہے۔ مقابلہ نہیں ہوا۔ وہاں قبیلہ بنی ضمرہ سے اس بات کا معاہدہ کرکے کہ وہ مسلمانوں کی مدد کریں گے واپس چلے آئے۔

پھر قریش کے ایک قافلہ کا حال سنکر مقام بواط تک جو سمندر کے ساحل پر مکہ اور شام کے راستہ میں واقع ہے گئے۔ وہاں بھی کوئی جنگ پیش نہیں آئی۔

اسی درمیان میں کرز بن جابر نے جو مکہ کے ایک قبیلہ کا سردار تھا مدینہ کے متصل چراگاہ پر حملہ کیا۔ اور مسلمانوں کے اونٹ لوٹ کر لے گیا۔ مقام سفوان تک پیچھا کیا گیا لیکن وہ ہاتھ نہ آیا۔

جمادی الاولیٰ میں مقام عشیرہ تک جو ینبع کے قریب ہے آنحضرتؐ مع اصحابؓ کے تشریف لے گئے۔ یہاں ایک ماہ سے زاید قیام کیا۔ اور بنی مدلج اور ان کے حلفاء سے عہدنامہ کرکے مدینہ واپس آئے۔

رجب کے مہینے میں عبداللہ بن جحش کو آٹھ مہاجروں کے ہمراہ مکہ کی طرف روانہ کیا اور ایک بند خط دے کر فرمایا کہ اس کو دو روز کی مسافت طے کرکے کھولنا۔ حکم کے مطابق جب وہ خط کھولا گیا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان بطنِ نخلہ میں جاکر قریش کے حالات معلوم کرو اور آکر اطلاع دو۔

ان لوگوں نے بطن نخلہ میں جاکر قیام کیا۔ عمرو بن حضرمی جو قریش

کا حلیف تھا۔ مع اپنے تین ساتھیوں کے تجارتی مال کے چند اونٹ لئے ہوئے ادھر سے گزرا۔ مہاجرین سے نہ رہا گیا۔ ایک نے عمرو کے تیر مارا وہ مرگیا اس کا ایک ساتھی بھاگ گیا۔ لیکن دو پکڑ لئے گئے اور مع اونٹوں کے مدینہ لائے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غنیمت کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ میں نے تم کو لڑنے کا کب حکم دیا تھا۔ چونکہ یہ واقعہ رجب میں ہوا تھا جس میں لڑائی حرام ہے اس لئے اور بھی آپ برہم ہوئے۔ آخر اس کے بارے میں وحی نازل ہوئی۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ط قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ط وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ط وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا (۲/۲۱۷)

لوگ تم سے ماہِ حرام میں لڑائی کی نسبت پوچھتے ہیں کہدو کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔ اور اللہ کے راستے سے روکنا اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام میں نہ جانے دینا وہاں کے باشندوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے اور فتنہ خونریزی سے سخت تر ہے۔ یہ کافر برابر تم سے لڑتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کردیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے تسلی دلائی کہ تم سے اگر ایک غلطی ہوئی ہے تو کفار نے تو اس سے بڑھ کر برائیاں کی ہیں اور کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ اس آیت کے اترنے سے تردد رفع ہو گیا۔

عمرو بن حضرمی کے قتل سے قریش کی آتش عداوت بھڑک اٹھی اور وہ انتقام کے جوش میں بھر گئے۔

* * *

غزوۂ بدر

قریش کا قافلہ حسبِ معمول تجارت کے لئے شام کے ملک میں گیا ہوا تھا۔ میر قافلہ ابوسفیان تھے اور تیس چالیس آدمی قریش کے ان کے ہمراہ تھے وہاں سے خرید و فروخت کر کے جب مکہ کو واپس آنے لگے تو مدینہ کے قریب ان کے جاسوسوں نے اطلاع دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مع اپنے اصحاب کے ساتھ اس قافلہ پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ سنکر ابوسفیان نے فوراً ایک تیز رو قاصد مکہ کو روانہ کیا کہ قریش کو خبر دے کہ وہ جلد مدد کو پہنچیں ورنہ ان کا تمام مال لٹ جائے گا۔ یہ اطلاع پاتے ہی مکہ سے قریش نہایت جوش و خروش کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

ابوسفیان ساحلِ بحر سے اپنے قافلہ کو نکال لے گئے اور قریش کے لوگوں کو کہلا بھیجا کہ مکہ واپس چلو۔ لیکن ابوجہل نے ازراہِ نخوت انکار کیا اور کہا کہ بدر میں جہاں عرب کا سالانہ اجتماع ہوتا ہے۔ ہم جا کر ٹھہریں گے۔ تین روز تک وہاں دعوتیں کریں گے اور جشن منائیں گے تاکہ تمام عرب میں ہمارے آنے کی شہرت اور ہماری طاقت کا رعب غالب ہو جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۹ رمضان ۲ھ مطابق ۵ مارچ ۶۲۴ء کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مدینے سے نکلے۔ وادیٔ ذفران میں پہنچکر معلوم ہوا کہ قافلہ نکل گیا۔ اور اہل مکہ کا عظیم الشان لشکر بدر کی طرف آرہا ہے۔ آپؐ نے صحابہ کرام کو جمع کرکے مشورہ کیا۔ چونکہ جنگ کے ارادے سے نہیں نکلے تھے اس وجہ سے بعض لوگوں نے اس بے سروسامانی کے ساتھ قریش کے مقابلہ پر جانا پسند نہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ دونوں گروہوں میں سے کسی ایک پر ہم کو فتح دے گا۔ اب قافلہ تو نکل گیا اس لئے قریش کے لشکر پر ہماری کامیابی یقینی ہے۔ حضرت ابوبکر، عمر اور مقداد رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم کو جو حکم ہو تعمیل کے لئے حاضر ہیں۔ لیکن آنحضرتؐ کا روئے سخن دراصل انصار کی طرف تھا۔ کیونکہ انہی کی طاقت اور تعداد زیادہ تھی اور ان سے بیعت جس بات پر لی گئی تھی وہ یہ تھی کہ مدینہ پر کوئی چڑھائی کرے گا تو وہ اس سے لڑیں گے یہ عہد نہیں کہ باہر نکل کر دشمنوں پر حملہ آور ہوں گے۔

حضرت سعد بن معاذ رئیس انصار نے کہا کہ یا رسول اللہ! شاید آپؐ کا خطاب ہماری طرف ہے۔ اللہ شاہد ہے کہ اگر آپ ہم کو حکم دیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ یہ سنکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے۔

چونکہ کامیابی کا یقین تھا اس وجہ سے اسی مختصر جماعت کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہوئے اور اہلِ مدینہ کو بلانے کی ضرورت نہ سمجھی۔ وہاں پہنچکر پہلے

چشمہ پر اتر پڑے۔

حباب بن منذرؓ نے آکر پوچھا کہ آیا یہاں اترنے کا حکم الہامی ہے کہ جس میں چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ یا آپؐ نے خود تدبیر جنگی کے لحاظ سے اس کو منتخب فرمایا ہے؟ آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ یہ خود میری رائے ہے۔ حباب نے کہا تو یہ مقام موزوں نہیں۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ اور آگے بڑھ کر ہم قریش کی فرودگاہ کے قریب ترین چشموں پر قبضہ کریں۔ اور اپنے لئے حوض بھر کر اور دوسرے کنوؤں کو اور چشموں کو پاٹ دیں تاکہ دشمنوں کو پانی مل نہ سکے۔ آپؐ نے اسے پسند فرمایا اور اسی کے مطابق عمل کیا۔

حضرت سعدؓ کی رائے سے آنحضرتؐ کے لئے ایک سائبان بنایا گیا کہ اس میں قیام فرمائیں۔ ۱۷ رمضان سنہ ۲ ھ مطابق ۱۳ مارچ سنہ ۶۲۴ء کو سنیچر کے دن صبح کے وقت دونوں فریق میدان میں آگئے۔

مسلمانوں کی تعداد ۳۱۴ تھی جن میں سے ۸۳ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ انصار میں سے ۶۱ آدمی اوس کے تھے اور ۱۷۰ خزرج کے۔

کفار کی تعداد قریب ایک ہزار کے تھی جس میں سوائے ابولہب کے قریش کے تمام سردار شامل تھے۔ ابولہب خود کسی وجہ سے نہیں آسکا تھا اس نے اپنے بدلے میں ایک شخص کو بھیج دیا تھا۔

دونوں طرف سے صف آرائی شروع ہوئی۔ آنحضرتؐ کے دست مبارک

میں ایک تیر تھا۔ اشارہ سے صفوں کو برابر کیا۔ پھر جہاد پر وعظ فرمایا۔ اس کے بعد درگاہ قاضی الحاجات میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ خشوع و خضوع کی حالت میں سجدہ میں گر گئے اور کہا کہ اے اللہ! اگر آج تیرے یہ چند عبادت گزار مٹ گئے تو پھر تو کبھی دنیا میں پوجا نہ جائے گا۔

اسی حالت میں تھے کہ فرشتہ نے آکر فتح کی بشارت دی۔ آپؐ نے سر اٹھایا اور مسلمانوں کو یہ مژدہ سنایا۔

عربی قاعدہ کے مطابق مبارزہ سے جنگ شروع ہوئی۔ مشرکین کی صفوں میں سے عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا نامور سردار تھا مع اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کے باہر نکلا۔ ادھر سے تین انصاری ان کے مقابلہ کے لئے گئے۔ عتبہ نے ان سے کہا کہ ہم تم لوگوں پر تلوار نہیں اٹھائیں گے۔ ہمارے مقابلے کے لئے ہمارے ہم قوم یعنی اہلِ قریش کو آنا چاہیئے۔ آنحضرتؐ کے حکم سے انصار پلٹ آئے۔ عتبہ کے مقابلہ کے لئے حضرت حمزہؓ، ولید کے لئے حضرت علیؓ اور شیبہ کے لئے حضرت عبیدہؓ گئے۔

عتبہ اور ولید تو حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارے گئے۔ لیکن شیبہ نے عبیدہ کو ایک کاری زخم لگایا یہ دیکھ کر حضرت علیؓ بڑھے شیبہ کو قتل کر دیا اور عبیدہؓ کو اٹھا کر آنحضرتؐ کے پاس لائے۔

پھر دونوں طرف سے صفیں ٹوٹ پڑیں اور لڑائی ہونے لگی۔

قریش کے بہت سے سردار قتل اور بہت سے آدمی گرفتار ہوئے۔ باقی بھاگ گئے

اور بہت تھوڑے عرصہ میں لڑائی ختم ہو گئی۔

قیدیوں میں آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباس اور داماد ابوالعاص اور حضرت علیؓ کے بھائی عقیل بن ابی طالب بھی تھے۔

لڑائی ختم ہونے پر عبداللہ بن رواحہ اور زید بن حارثہ مژدۂ فتح سنانے کے لئے مدینہ کی طرف دوڑائے گئے۔

آنحضرتؐ کا ہر لڑائی میں یہ دستور تھا کہ ہر دو فریقین کی جس قدر لاشیں ملتی تھیں ان کو دفن کرا دیتے تھے۔ یہاں بھی مسلمان شہیدوں کو دفن کرایا۔ مشرکین کے کشتوں کی تعداد چونکہ زیادہ تھی اس لئے ایک بڑا گڑھا کھدوا کر سب کو اسی میں ڈلوا دیا۔ پھر مع مال غنیمت اور اسیرانِ جنگ کے مدینہ کو واپس آئے۔

راستہ میں قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ دو شخص قتل کر دیئے گئے۔ کیونکہ یہ دونوں مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے اور اپنے اشعار میں ان کی ہجو کیا کرتے تھے۔

اسیرانِ جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے۔ مدینہ میں پہنچکر ان کے واسطے کپڑے فراہم کیئے گئے۔ حضرت عباسؓ کو عبداللہ بن اُبی نے کشیدہ قامت ہونے کی وجہ سے اپنا کرتہ پہنایا۔

آنحضرتؐ نے ان کا یہ احسان یاد رکھا اور باوجود اس کے کہ وہ راس المنافقین اور مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا۔ پھر بھی جس وقت اس نے انتقال کیا تو اس

کے کفن کے لئے اس کے معاوضہ میں اپنا پیراہن مبارک عطا فرمایا۔

قیدیوں کو متفرق طور پر صحابہ کے سپرد کیا کہ جب تک ان کے بارے میں قطعیہ نہ ہو ان کو اپنے پاس آرام سے رکھیں۔ بعض بعض مفلس صحابہ آنحضرتؐ کے اس فرمان کی وجہ سے ان قیدیوں کو اپنا کھانا کھلا دیتے تھے اور خود فاقہ کر لیتے تھے۔

مشرکین کے علمبردار ابو عزیز کا بیان ہے کہ میں جس انصاری کے حوالہ کیا گیا تھا وہ روٹی تو مجھے کھلا دیتے اور خود کھجوریں کھا کر بسر کر لیتے۔ شرما کر روٹی ان کے سامنے رکھ دیتا تو وہ اس کو چھوتے بھی نہیں تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اسیرانِ جنگ کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ لیا تو حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ہر چند یہ لوگ بھائی بند ہیں لیکن ان کو قتل کر دینا چاہیئے۔ مگر حضرت ابو بکرؓ اور صحابہ نے قتل کو پسند نہ کیا۔ اور رائے دی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دینا مناسب ہے۔ رحمتِ عالم نے اسی کو ترجیح دی مگر چونکہ اب تک کسی نبی کے لئے قیدیوں کا زرِ فدیہ اور مالِ غنیمت حلال نہیں کیا گیا تھا اور آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بارے میں کوئی خاص حکم بھی نہیں ملا تھا۔ اس لئے عرش سے عتاب نازل ہوا۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ

عَظِيمٌ ۔ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۔

کسی نبی کو یہ روا نہیں کہ ملک میں اچھی طرح خونریزی کئے بغیر لوگوں کو قیدی بنائے۔ تم دنیا کا سرمایہ چاہتے ہو اور اللہ آخرت کا۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ نے تمہاری معافی پہلے سے نہ لکھ دی ہوتی تو جو کچھ تم نے لیا اس کی وجہ سے بڑا عذاب تم پر نازل ہوتا۔ خیر جو کچھ تم کو مالِ غنیمت میں ملا ہے اس کو حلال طیب سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت سعد بن معاذؓ کی پہلے سے یہ رائے تھی کہ میدانِ جنگ میں قیدی نہ پکڑے جائیں اور بعد پکڑنے کے بھی وہ حضرت عمرؓ کے ہم خیال تھے کہ ان کو قتل کر دینا چاہیئے۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ دشمنوں کی گرفتاری سے ان کا قتل کر دینا زیادہ مناسب تھا۔ بہرحال یہ خطا معاف کی گئی اور مالِ غنیمت کو بھی حلال کر دیا گیا۔ ہر ایک اسیر کا چار ہزار فدیہ مقرر کیا گیا۔ اہلِ مکہ جب مطلع ہوئے تو انھوں نے اپنے اپنے عزیزوں کا زرِ فدیہ بھیج دیا اور وہ چھوڑ دیئے گئے جو نادار تھے ان میں سے جو لکھنا جانتے تھے ان سے کہا گیا کہ مدینے کے دس دس بچوں کو کتابت سکھا دیں اور آزاد ہو جائیں۔ باقی بلا فدیہ رہا کر دیئے گئے۔ ان میں سے عمرو جمحی مکہ کا شاعر بھی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر ابوالعاص

کے فدیہ میں اپنے گلے کا ہار اتار کر بھیج دیا تھا۔ یہ ہار حضرت خدیجہؓ کا دیا ہوا تھا آنحضرتؐ نے جب اس کو دیکھا تو رقت طاری ہوئی۔ صحابہؓ سے فرمایا کہ مناسب سمجھو تو زینب کو اس کا یہ ہار واپس دے دو۔ کیونکہ یہ اس کی ماں کی یادگار ہے۔ سب لوگوں نے خوشی کے ساتھ قبول کیا اور ابوالعاص کو بلا فدیہ کے رہا کر دیا۔

مکہ میں بدر کی شکست اور اس کے مقتولوں کا گھر گھر میں سوگ تھا لیکن ناموس کے خیال سے کوئی بلند آواز سے نہیں روتا تھا۔

صفوان بن اُمیّہ نے عمیر بن وہب کو جو اسلام کا سخت دشمن تھا اپنے حجرہ میں بلا کر مخفی طور پر تنہائی میں اس بات پر آمادہ کیا کہ تم مدینہ میں جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دو۔ تمہارے بچوں کی پرورش میں کروں گا۔ وہ زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر مدینہ پہنچا اتفاقاً اس پر حضرت عمرؓ کی نگاہ پڑ گئی ان کو شبہ ہوا اور گردن پکڑ کر اس کو آنحضرتؐ کے سامنے لائے۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ سے کہا چھوڑ دو پھر اس کو اپنے قریب بلایا اور پوچھا کہ کس لئے آئے ہو؟ اس نے کہا کہ میرا بیٹا جو قیدیوں میں ہے اس کو چھڑانے کے لئے آیا ہوں۔ آپؐ نے کہا کہ نہیں تم کو صفوان نے میرے قتل کے لئے بھیجا ہے۔ یہ سنکر عمیر نے اسی وقت کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ کیونکہ اس بات کو سوائے ان کے اور صفوان کے اور کوئی نہیں جانتا تھا۔

غزوۂ بدر کا ذکر مفصل قرآن میں ہے اس کے بارے میں پوری سورۂ انفال نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس میں مال غنیمت کے احکام بیان کئے کہ ایک خمس اللہ اور رسول اور ان کے قرابت مندوں، نیز یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے اور باقی چار خمس فوج کا حصہ ہے۔

نیز اس لڑائی میں مسلمانوں کی بے سروسامانی، پریشانی اور امداد آسمانی کا ذکر فرمایا کہ ہم نے فرشتوں کی فوج اتاری تاکہ مسلمانوں کو اطمینان قلب حاصل ہو اور وہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہیں۔ اس کے بعد قریش کی ایذا رسانی، مخالفت اور دشمنی وغیرہ بیان کی۔ پھر مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم اپنی طاقت اور شوکت کو جہاں تک ہو سکے بڑھاؤ اس کے بعد صلح کی ترغیب دی اور آخر میں اسیران جنگ کے معاملہ کا تصفیہ فرمایا۔

یہ لڑائی در حقیقت شوکت اسلام کا سنگ بنیاد تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس میں شریک ہوئے وہ قطعی جنتی قرار دیئے گئے۔ کیونکہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن قریش تھے ان کی قوت کا اس میں خاتمہ ہو گیا۔ ابوجہل اور عتبہ وغیرہ تقریباً ستر سادات قریش مارے گئے اور نوے کے قریب گرفتار ہوئے۔ اس کے مقابلہ میں مسلمان شہداء کی کل تعداد چودہ تھی۔

جو لوگ صرف ظاہری سازوسامان کو فتح اور کامیابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں ان کو اس جنگ سے عجیب وغریب سبق مل سکتا ہے اس میں مسلمانوں کی کل تعداد ۳۱۴ تھی۔ جن کے پاس صرف تین گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ بمقابلہ اس کے کفار

کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ ان میں ایک سو سوار تھے اور سازوسامان بھی کافی تھا اور دونوں فریق ایک ہی قوم کے لوگ تھے۔ یعنی یہ بھی عرب اور وہ بھی عرب بلکہ مکہ والے مدینہ والوں کو اپنا ہمسر بھی نہیں سمجھتے تھے۔ باوجود اس کے صرف چند گھنٹوں کی لڑائی کے بعد مسلمانوں کو ایسا غلبہ حاصل ہوا کہ کفار کچھ مقتول اور کچھ گرفتار ہوئے اور باقی بدحواسی کے ساتھ بھاگ گئے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کا ناصر ہے اس نے فتح کی خوش خبری پہلے ہی سے دیدی تھی۔ علاوہ بریں آسمان سے فرشتوں کی فوج اتار دی جس سے مسلمانوں کے دل مضبوط ہو گئے اور کافروں پر ہیبت چھا گئی اور سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ مسلمان دنیا کی محبوب ترین اور مقدس ترین ذات یعنی رسول اللہ صلعم کی مدافعت اور اعلائے کلمہ حق کے لیے لڑ رہے تھے اور اس پر اپنی جان نثار کر دینے کو ایک لازوال نعمت سمجھتے تھے اس لیے موت سے ان کو کوئی خوف نہ تھا۔ بلکہ اس کے خواہاں تھے۔ بخلاف اس کے کفار میں یہ جذبۂ پاک موجود نہ تھا وہ محض انتقام اور کینہ کے جوش میں لڑ رہے تھے۔

غزوہ سویق

بدر کی لڑائی میں جب بڑے بڑے سردار مارے گئے تو قریش کے رئیس اعظم ابوسفیان بن حرب قرار پائے۔ انھوں نے مکہ میں پہنچکر یہ عہد کیا کہ جب تک بدر کے کشتوں کا بدلہ نہ لے لوں گا اس وقت تک نہ غسل کروں گا نہ سر میں تیل ڈالوں گا چنانچہ وہ مدینہ کے قریب دو سو سواروں کے ساتھ آئے۔ رات کو بنی النضیر کے سردار سلام بن مشکم کے پاس پہنچے۔ باوجود اس کے کہ وہ آنحضرت صلعم کے ساتھ عہد کر چکا تھا لیکن اس نے ان کو مہمان رکھا اور مسلمانوں پر شب خون مارنے کے طریقے بتائے۔

ابوسفیان نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مقام عریض پر جو مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے حملہ کیا۔ نخلستان میں آگ لگا دی۔ دو انصاریوں کو قتل کر ڈالا۔ اور اپنے خیال میں اپنی نذر پوری کر کے مکہ کو واپس چلے گئے۔ آنحضرتؐ کو جب اطلاع ہوئی تو مقام کدر تک تعاقب کیا لیکن وہ لوگ ہاتھ نہ آئے۔

ابوسفیان نے زادِ راہ کے لئے اونٹوں پر ستو کے تھیلے لاد لئے تھے واپسی میں

عجلت کی وجہ سے اونٹوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے جا بجا ان تھیلوں کو پھینکتے گئے۔
وہ مسلمانوں کو ملے۔ اسی وجہ سے اسے غزوۂ سویق (ستو) کہتے ہیں۔

بنی قینقاع

مدینے کے آس پاس یہود کے تین قبیلے تھے۔ بنی قینقاع۔ بنی نظیر اور بنی قریظہ۔ آنحضرتؐ نے مدینہ آنے کے ساتھ ہی ان سے معاہدے کر لئے تھے۔ جنگِ بدر کے بعد اسلام کے عروج کو دیکھ کر ان کے دلوں میں رشک پیدا ہوا۔ دوسرے قریش نے بھی ان سے مخفی طور پر ساز باز شروع کی۔ اس لئے وہ اسلام کے سخت دشمن ہو گئے۔ اس کی ترقی میں رکاوٹیں ڈالنے لگے۔ اور مسلمانوں کو ایذا دینا اور آنحضرتؐ کے ساتھ بد تہذیبی سے پیش آنا شروع کیا۔

ان کے بارے میں قرآن میں آیتیں نازل ہوئیں جن میں ان کی سود خواری، دروغ پسندی، بد اخلاقی۔ عداوت اسلام اور منافقانہ سرشت کی صاف صاف پردہ دری کی گئی۔

سب سے پہلے بنی قینقاع نے جو یہود کے تینوں قبیلوں میں دولت مندی اور شجاعت میں نامور تھے۔ آنحضرتؐ کے عہد کو توڑ ڈالا اور علانیہ مسلمانوں سے دشمنی کرنے لگے۔ مدینہ کے منافق بھی ان کے ہمراہ تھے۔

ابتدا اس واقعہ سے ہوئی کہ بنی قینقاع کے بازار میں ایک یہودی نے ایک مسلمان عورت پر بیجا سختی کی وہ عورت امداد کے لئے چلائی۔ کسی مسلمان نے پہنچکر اس ظالم یہودی کو قتل کر دیا۔ یہودیوں نے مل کر اس مسلمان کو مار ڈالا۔ آنحضرتؐ

اس کی اطلاع پاکر وہاں تشریف لے گئے۔ اور یہودیوں کو سمجھانے لگے کہ اگر تم ایسا کروگے تو اہل بدر کی طرح تم پر بھی اللہ کا غضب نازل ہوگا۔ انھوں نے جواب دیا کہ قریش کے اوپر جو آپ نے فتح پائی تو اس گھمنڈ میں نہ رہیں۔ وہ جنگ و پیکار سے ناواقف تھے۔ ہم سے سابقہ پڑے گا تو ہم تبلا دیں گے کہ لڑائی کس کو کہتے ہیں۔

اس معاملہ نے طول کھینچا۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے ان پر فوج کشی کی وہ قلعہ گیر ہو کر بیٹھ رہے۔ پندرہ دن تک محاصرہ رہا۔ آخر مدینہ کے راس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی تجویز کے مطابق جو درپردہ ان کا ہمراز تھا یہ طے ہوا کہ بنی قینقاع یہاں سے جلا وطن کر دیئے جائیں۔ چنانچہ وہ مقام اذرعات میں جو ملک شام میں ہے چلے گئے۔ ان کی تعداد سات سو تھی۔

کعب بن اشرف

کعب بن اشرف یہودی بنی طے کا تھا اور اس کی ماں بنی نضیر کی تھی یہ اپنی دولت، شجاعت اور شاعری کی وجہ سے یہود کا سب سے بڑا سردار سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ اسلام کی ترقی سے یہود کا دنیاوی اثر اور اقتدار نیز ان کی دینی عظمت کا سکہ اٹھ جاتا تھا۔ اس لئے کعب مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ جنگ بدر کے بعد اس نے مکہ میں جا کر کشتگان بدر کے دردناک مرثیے بنا کر سنائے اور قریش کو مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے آمادہ کیا وہاں سے آکر اپنے اشعار میں مسلمانوں کی ہجو اور بے حرمتی کرنے لگا۔ اور درپردہ اس فکر میں پڑا کہ رسول اللہ صلعم کو قتل کرا دے۔

آنحضرت صلعم کو ان باتوں کی اطلاع ہوتی رہتی تھی اس وجہ سے رات کو باہر کم نکلتے تھے۔ اس کی فتنہ انگیزیوں سے مجبور ہوکر ربیع الاول ۳ھ ہجری میں محمد بن مسلمہؓ کو مع دو صحابیوں کے بھیجا۔ انھوں نے جاکر اس کو قتل کردیا۔

جنگِ اُحد

قریش کے دل میں مقتولینِ بدر کے انتقام کا بے حد جوش تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن ربیعہ۔ عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان امیہ ان لوگوں کو جن کے اقربا مارے گئے تھے ساتھ لے کر ابوسفیان کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ ہمارے بڑے بڑے سردار اور بہت سے رشتہ دار بدر کی لڑائی میں قتل ہو گئے۔ مالِ تجارت کے نفع میں سے جو مشترکہ رقم جمع ہو جاتی ہے۔ اس سے تم ہماری مدد کرو کہ تیاری کر کے اپنے مقتولوں کا بدلہ لیں۔ ابوسفیان رضامند ہو گئے۔

قریش تیار ہوئے اور اپنے حلیف اور مددگار قبیلوں کے لوگوں کو بھی ساتھ لیا۔ عمرو جمحی شاعر نے جو بدر میں قید ہو گیا تھا اور آنحضرتؐ نے اس کو رحم فرما کر بلا فدیہ چھوڑ دیا تھا۔ نیز دوسرے شعراء نے بھی اپنے اپنے اشعار سنا سنا کر لوگوں کو انتقام کا جوش دلایا۔ سرداروں کی لڑکیاں اور بیبیاں بھی ساتھ چلیں کہ وہ اپنے عزیزوں کے قاتلوں کی سزائیں دیکھیں اور نیز اس غرض سے بھی کہ ان کی حفاظت کے خیال سے قریش لڑائی سے نہیں بھاگیں گے۔

وحشی نامی جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام تھا جو حربہ (چھوٹا نیزہ) چلانے میں مشہور تھا اور بہت کم خطا کرتا تھا۔ جبیر نے اس سے کہا کہ تم بھی لڑائی میں چلو۔ اگر حمزہ رضی اللہ عنہ کو تم نے قتل کر دیا تو میں تم کو آزاد کر دوں گا۔

یہ لشکر مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ کے مقابل کوہ اُحد کی وادی میں ایک چشمہ پر اترا۔ آنحضرتؐ نے صحابہ کو جمع کر کے مشورہ لیا۔ عبداللہ بن اُبی نے جو منافقوں کا سردار تھا یہ رائے دی کہ ہم مدینہ ہی میں رہیں جب وہ یہاں حملہ آور ہوں گے تو ان سے لڑیں گے۔ آپؐ نے بھی اس رائے کو پسند فرمایا۔ لیکن دیگر صحابہ نے کہا کہ ہم کو شہر سے باہر نکل کر دشمنوں کو روکنا چاہیے۔ اس کے بعد آپؐ گھر میں تشریف لے گئے اور مسلح ہو کر نکلے۔ صحابہ نے اس خیال سے کہ شاید ہم نے آنحضرتؐ کو ان کی منشار کے خلاف باہر نکلنے پر مجبور کیا۔ نادم ہو کر عرض کیا کہ ہماری بات کا آپ کچھ خیال نہ فرمائیں۔ اگر شہر میں پناہ گیر ہونا زیادہ مناسب ہو تو یہیں تشریف رکھیں۔ ہمارا یہ منصب نہیں کہ آپ کو ہم اپنی رائے کا پابند کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبی کو زیب نہیں دیتا کہ جب وہ ہتھیار لگا لے تو بے لڑے ان کو اتار دے۔

۴ / شوال ۳ھ مطابق ۲۹ / مارچ ۶۲۵ء کو بعد نماز جمعہ ایک ہزار صحابہ کو ساتھ لے کر آپؐ مدینہ سے نکلے۔ عبداللہ بن ابی نے اپنے گروہ سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے مشورے کے خلاف چند جوشیلے نوجوانوں کے کہنے سے باہر نکل پڑے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہم کیوں مفت میں اپنی جانیں دیں۔ یہ کہہ کر وہ مدینہ کو پلٹ آیا۔

اس کے ساتھ منافقین کی جماعت جس کی تعداد تین سو تھی واپس چلی آئی اب مسلمان کل سات سو رہ گئے۔ ان میں سے بھی جن کی عمریں سولہ برس سے کم تھیں واپس کئے گئے۔

ان بچوں کے شوقِ شہادت کا یہ عالم تھا کہ واپس جانا گوارا نہ تھا۔ چنانچہ حضرت رافع بن خدیج ایڑیاں اٹھا کر پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے اور تن کر اپنے قد کو اونچا کیا ان کی یہ تدبیر کارگر ہو گئی اور یہ لئے گئے۔ انھیں کے ہم عمر سمرہ تھے۔ ان سے جب کہا گیا کہ تم واپس جاؤ تو انھوں نے کہا کہ میں تو رافع سے زیادہ قوی ہوں اور ان کو گرا لیتا ہوں۔ میں کیوں نہ جاؤں آخر کشتی کرائی گئی اور انھوں نے رافع کو پچھاڑ لیا۔ اور ساتھ چلنے کی اجازت حاصل کی۔

جب قریب پہنچے تو کوہ احد کو پس پشت رکھ کر صف بندی شروع کی۔ حضرت مصعبؓ کو علم دیا گیا۔ پیچھے سے پہاڑ کے درّہ کی طرف مشرکین کے سواروں کے حملے کا خوف تھا۔ اس لئے وہاں عبداللہ بن جبیر کی ماتحتی میں ۵۰ تیر انداز متعین کر دیئے گئے۔ آنحضرتؐ نے ان کو حکم دیا کہ اپنے تیروں سے سواروں کو ادھر آنے سے روکنا اور ہم چاہے فتح پائیں یا شکست کھائیں تم لوگ ہرگز بلا حکم یہاں سے نہ ٹلنا۔

مقابلہ میں قریش بھی صف آرا ہوئے۔ طلحہ ان کا علم بردار تھا۔ ایک دستہ سواروں کا تھا۔ جس کے میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ دو سو کوتل گھوڑے بھی ساتھ تھے کہ بوقت ضرورت کام دے سکیں۔ تیر اندازوں کی جماعت

کا سردار عبداللہ بن ربیعہ تھا۔

لڑائی شروع ہوئی۔ قریش کی خواتین بدر کے مقتولین کے مرثیے دف بجا کر گاتی تھیں۔

مسلمان نہایت بے جگری سے لڑے۔ خاص کر حضرت حمزہؓ، علیؓ اور ابو دجانہؓ نے بے مثل شجاعت کا اظہار کیا۔ آنحضرتؐ کے دست مبارک میں ایک شمشیر تھی وہ ابو دجانہؓ کو عطا فرمائی وہ اس کو لے کر اکڑتے اور اتراتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھے آپؐ نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ چال اللہ تعالیٰ کو کہیں پسند نہیں بجز میدانِ جنگ کے۔

ابو دجانہؓ نے بہت سے کافروں کو قتل کیا۔ ابو سفیان کی بیوی ہندہ بھی حضورؐ کے سامنے پڑ گئی۔ اس کے سر تک تلوار لے جا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ رسول اللہ صلعم کی تلوار عورت کے خون سے رنگین نہ ہو۔

حضرت حمزہؓ دو دستی تلوار چلاتے تھے۔ اور دشمنوں کو سامنے سے صاف کرتے جاتے تھے۔ وحشی غلام ان کی تاک میں لگا ہوا تھا۔ جب اس کے قریب پہنچے تو اس نے حربہ پھینک کر مارا۔ جو ناف سے گزر کر پشت کے پار نکل گیا۔ آپ آگے بڑھے کہ اس کو قتل کریں لیکن زخم کاری تھا گر پڑے، اور جان نکل گئی۔

قریش مسلمانوں کے حملوں کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹے ان کے علمبردار یکے بعد دیگرے قتل ہوتے جاتے تھے لیکن پھر دوسرا جھنڈا اٹھا لیتا تھا۔ آخر میں جب صحاب قتل ہوا اور علم لے کر گرا تو مشرکین منتشر ہو گئے۔ یہ دیکھ کر عمرہ بنت علقمہ قریشیہ کی

ایک خاتون نے اس کو اٹھا لیا۔ کفار پھر اس کے گرد جمع ہو گئے لیکن مسلمانوں کے سامنے وہ زیادہ سنبھل نہ سکے۔ پیچھے ہٹتے ہٹتے میدان سے منہ پھیر لیا اور شکست کھا گئے۔

مجاہدین مال غنیمت کے جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ یہ دیکھ کر تیر انداز مسلمان بھی اپنی جگہ چھوڑ کر اسی طرف جھک پڑے۔ عبداللہ بن جبیر نے ہر چند ان کو روکا لیکن نہ رکے۔

اب مشرکین مکہ کے سواروں کے لئے راستہ صاف تھا۔ خالد نے اس درہ سے نکل کر حملہ کر دیا۔ مسلمان جو اطمینان سے غنیمت سمیٹنے میں مصروف تھے کیا دیکھتے ہیں کہ پیچھے سے ان کے سروں پر تلواریں پڑنے لگیں۔ نہایت ابتری پھیل گئی۔ یہاں تک کہ بدحواسی میں خود ایک دوسرے پر وار کرنے لگے۔ حضرت یمان کے بیٹے حضرت خذیفہ چلاتے ہی رہ گئے کہ یہ میرے باپ ہیں لیکن سراسیمگی میں ان کو لوگوں نے قتل ہی کر ڈالا۔ حضرت خذیفہ نے کہا مسلمانو! اللہ تمہاری مغفرت کرے۔

اسی حالت میں ایک مشہور بہادر اور شہسوار کافر ابن قمیئہ نے حضرت مصعب کو جو مسلمانوں کے علمبردار اور آنحضرتؐ کے ہم شکل تھے شہید کر دیا اور چلایا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا۔ یہ سنکر مسلمانوں کے رہے سہے اوسان بھی جاتے رہے۔ بہت سے لوگ حیران ہو کر بھاگے۔ بعض حیران ہو کر جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے رہ گئے اور بعض فرط رنج سے گر پڑے۔

انس کے چچا ابن نضر لڑتے ہوئے جا رہے تھے۔ دیکھا کہ حضرت عمرؓ ہتھیار پھینک کر مایوس اور غمزدہ بیٹھے ہوئے ہیں پوچھا کہ یہاں کیا کرتے ہو کہا کہ اب لڑنے سے کیا ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو شہید ہو گئے۔ ابن نضر نے کہا کہ جب رسول اللہ صلعم نے وفات پائی تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ یہ کہہ کر مشرکین میں گھس گئے اور لڑ کر شہید ہو گئے۔

آنحضرت صلعم کے ارد گرد صرف چند جاں نثار رہ گئے تھے۔ کفار اسی طرف بڑھے۔ حضرت ابودجانہؓ نے آپؐ کی طرف اپنا رخ کر کے اپنی پشت کو سپر بنا لیا۔ دشمنوں کے تیر اسی پر آ کے لگتے تھے۔ حضرت سعد بن وقاص اور ابوطلحہ تیر چلا چلا کر دشمنوں کو روکتے تھے۔ ام عمارہ جن کا نام نسیبہ تھا اور جو بیعت عقبہ میں شریک ہوئی تھیں وہ بھی ایک تلوار لے کر وہاں کھڑی ہو گئیں۔ حملہ آوروں کو روکتی تھیں اور قتل کرتی تھیں۔

اسی درمیان میں کسی کافر نے ایک پتھر مارا جس سے آنحضرتؐ کا لب زخمی ہوا۔ اور نیچے کے دو دانتوں میں سے داہنا دانت شہید ہو گیا۔ پھر ابن قمیہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا جس سے خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں دھنس گئے حضرت ابوعبیدہؓ نے ان حلقوں کو دانتوں سے کھینچ کر نکالا۔ رخسار سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے۔ ام عمارہؓ نے یہ دیکھا تو بڑی بے تابی سے اچھل کر ابن قمیہ پر پے در پے تلوار کے کئی وار کئے۔ لیکن وہ دو زرہیں پہنے ہوئے تھا۔ اس لئے کچھ اثر نہ ہوا ایں

نے بڑھ کر ام عمارہؓ کو ایک تلوار ماری۔ ان کے مونڈھے پر سخت زخم آیا جو پورے ایک سال میں اچھا ہوا۔

زیاد بن سکن انصاری اپنے پانچ ہمراہیوں کے ساتھ آنحضرتؐ کی محافظت کے لئے بڑھے اور سب نے لڑکر جانیں فدا کردیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ بھی جانبازی کے ساتھ مدافعت کرتے رہے۔ حضرت طلحہؓ دشمنوں کی تلواروں کو اپنے ہاتھ پر روکتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔

ایک شخص کھجور کھاتا ہوا وہاں آیا اور آنحضرتؐ سے پوچھا کہ اگر میں لڑوں اور مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جنت میں۔ یہ سنکر اس نے کلمہ پڑھا اور کافروں پر جھپٹا اور شہید ہوگیا۔

یہی وہ شخص ہے جس نے اللہ کو ایک سجدہ بھی نہ کیا اور جنتی ہوگیا۔

جہاں آپؐ کے لئے سائبان بنایا گیا تھا اس کے متصل ایک کافر ابو عامر نے مسلمانوں کے لئے ایک گڑھا کھود رکھا تھا۔ آنحضرت صلعم کا پائے مبارک اس میں جا پڑا اور آپؐ اس کے اندر گر گئے۔ حضرت علیؓ نے ہاتھ پکڑا اور حضرت ابوبکرؓ اور طلحہؓ نے اٹھا کر نکالا۔

کعب بن مالکؓ انصاری نے جب آنحضرت کو دیکھا تو چلائے کہ مسلمانو! مژدہ ہو کہ رسول اللہ صلعم زندہ ہیں۔ یہ آواز سنکر صحابہ اسی طرف ٹوٹ پڑے

آپؐ سب کے ہمراہ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ دشمن بھی اسی طرف بڑھے لیکن حضرت عمرؓ نے پتھر برسائے اس لیئے وہ آگے نہ جاسکے۔ ابی بن خلف آنحضرتؐ کے قریب پہنچ گیا اور جوش میں کہنے لگا کہ میں آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہ سنکر آنحضرتؐ نے حارث بن صمہ کے ہاتھ سے نیزہ لے کر اسکی گردن پر مارا جس سے اس کی شہ رگ سے خون جاری ہو گیا۔ اور وہ گھوڑے پر سے لڑکھڑایا۔ آخر اسی زخم سے واپسی میں مکہ کے راستے میں مرگیا۔ صرف یہی ایک بدبخت شخص ہے جس کو آنحضرتؐ نے اپنی تمام زندگی میں اپنے ہاتھ سے ہلاک کیا ہے۔

ادھر جب مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر پہنچی تو بہت سی عورتیں دوڑ پڑیں۔ حضرت فاطمہ زہراؓ بھی پہنچ گئیں۔ حضرت علیؓ ڈھال میں پانی بھر کر لائے۔ اور حضرت فاطمہؓ نے روئے مبارک سے خون دھویا۔ پھر چٹائی کا ٹکڑا جلا کر اس کی راکھ زخم میں بھر دی جس سے خون بند ہو گیا۔

ابوسفیان نے قریش کیمپ کے سامنے کے ٹیلے پر چڑھ کر زور سے پکارا کہ

اُعْلُ هُبَلُ

ہبل سر بلند رہ

آنحضرتؐ کے حکم سے صحابہ نے اس کا جواب دیا۔

اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ

اللہ برتر اور بزرگ ہے

ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کی آواز پہچان کران کو پکارا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جاؤ دیکھو کیا بات ہے۔ جب وہ پہنچے تو ابوسفیان نے کہا کہ بتاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مقتول ہو گئے یا نہیں۔ انھوں نے کہا کہ نہیں وہ پہاڑی پر موجود ہیں۔ اور تمہاری آواز سن رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ تم میرے نزدیک ابن قمیئہ سے زیادہ سچے ہو۔

پھر ابوسفیان نے چلا کر کہا کہ یہ بدر کی لڑائی کا بدلہ ہے اور ہمارا تمہارا مقابلہ پھر بدر میں آئندہ سال ہوگا۔ آنحضرتؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ کہہ دو کہ ہم کو منظور ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ خیال اس امر کا تھا کہ مشرکین کا خیال معلوم کریں۔ حضرت علیؓ کو بھیجا کہ پتہ لگاؤ کہ یہ کیا کرنا چاہتے ہیں اگر اونٹوں پر کجاوے کسیں اور گھوڑوں کو کوتل چھوڑیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ مکہ کو جانا چاہتے ہیں اور اگر اس کے برعکس ہو تو مدینہ پر حملے کا قصد رکھتے ہیں۔ پھر ہم کو بھی مقابلہ کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

حضرت علیؓ گئے اور آکر اطلاع دی کہ وہ اونٹوں پر سوار ہوئے اور گھوڑوں کو کوتل ساتھ لے گئے۔ جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو آپؐ شہداء کی لاشوں کو دفن کرانے میں مشغول ہو گئے۔

ستر مسلمان شہید ہوئے تھے جن میں سے چار مہاجر اور باقی انصار تھے مشرکین

کے کشتوں کی تعداد کل بائیس تھی۔

کافروں نے بدر کے کینہ کے جوش میں شہیدوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے سیدالشہداء حضرت حمزہؓ کی نعش کا مثلہ کیا یعنی ناک، کان وغیرہ کاٹ ڈالے۔ آنکھیں نکال لیں اور سینہ چاک کر کے جگر کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈال کر چبایا لیکن نگل نہ سکی۔ اس لئے اگل دیا۔ اسی وجہ سے اس کا لقب جگر خوارہ رکھا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی حضرت صفیہؓ جو سیدالشہداؓ کی حقیقی بہن تھیں بھائی کی نعش کو دیکھنے آئیں۔ آپؐ نے ان کے بیٹے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ اپنی ماں کو روکو اس طرف نہ جانے پائیں۔ جب حضرت زبیرؓ نے ان کو منع کیا تو انھوں نے کہا کہ مجھے اپنے بھائی کا حال معلوم ہو چکا ہے میں رونے اور نوحہ کرنے نہیں آئی ہوں۔ دیکھوں گی۔ صبر کروں گی اور دعائے مغفرت مانگوں گی۔ حضرت زبیرؓ نے آکر آنحضرتؐ سے کہا آپؐ نے اجازت دے دی۔ بھائی کی حالت اور ان کے جگر کے بکھرے ہوئے ٹکڑے دیکھ کر دل بے قرار ہو گیا۔ انا للہ پڑھ کر دعائے مغفرت مانگی۔ ان کے کفن کے لئے بیٹے کو دو چادریں حوالہ کیں اور واپس چلی آئیں۔

حضرت زبیرؓ کہتے ہیں کہ وہ چادریں لے کر ہم نے چاہا کہ سیدالشہداء کا کفن بنائیں۔ لیکن انھیں کے قریب ایک انصاری شہید پڑے تھے ان کے ساتھ

بھی وہ ہی سلوک کیا گیا تھا جو ان کے ساتھ ہوا تھا۔ اس لئے ہم نے مروت کے خلاف سمجھا کہ ایک کو دو چادروں میں دفن کریں اور ایک کو بے کفن چھوڑ دیں آخر دونوں کو ایک ایک چادر میں لپیٹ کر دفن کیا۔

اس وقت مسلمانوں کی محتاجی کا یہ عالم تھا کہ شہداء کے لئے کفن تک میسر نہ تھا۔ اسلامی علمبردار حضرت مصعبؓ کے کفن کے لئے صرف ایک چادر تھی۔ وہ بھی اس قدر چھوٹی کہ سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتے۔ اور پاؤں چھپاتے تو سر، مجبوراً سر چھپایا گیا اور پاؤں پر اذخر کی گھاس ڈال دی گئی۔

شہداء خون میں لتھڑے ہوئے بلا غسل ایک ایک قبر میں دو دو دفن کئے گئے۔ جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا تھا اس کو آگے رکھتے تھے۔

اس سے فارغ ہو کر مدینہ واپس چلے۔ راستہ میں حمنہ بنت جحش آتی ہوئی ملیں۔ ان کو ان کے ماموں حضرت حمزہؓ کی شہادت کی خبر دی گئی۔ انھوں نے انا للہ پڑھی اور دعائے مغفرت مانگی۔ پھر ان کے بھائی عبداللہ بن جحشؓ کی خبر دی گئی۔ اس پر بھی انا للہ پڑھ کر مغفرت کی دعا کی۔ لیکن جب ان کے شوہر حضرت مصعبؓ کی شہادت کی خبر دی گئی تو چلا کر رو پڑیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ عورت کے دل میں شوہر کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔ آنحضرتؐ کی شہادت کی خبر سن کر انصار کے قبیلے بنی انبار کی ایک خاتون مدینہ سے چل پڑی تھیں۔ راستہ میں ان کو ان کے شوہر، باپ اور بھائی تینوں کی شہادت

کی خبر ملی، ہر ایک کی خبر سنکر وہ یہی کہتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟۔ لوگوں نے کہا کہ وہ زندہ ہیں۔ کہا کہ مجھے دکھا دو۔ صحابہ نے اشارہ سے بتایا۔ انھوں نے اپنی آنکھوں سے جب آپ کا چہرہ دیکھ لیا تو تسلی پاکر بولیں کہ آپ جب سلامت ہیں تو ساری مصیبتیں ہیچ ہیں۔

مدینہ میں پہنچکر بھی آپؐ کے دل میں یہ خیال رہا کہ کہیں کفار پھر نہ ہمارے اوپر پلٹ پڑیں۔ اس لئے دوسرے دن پھر انہی لوگوں میں سے جو جنگِ احد میں شریک تھے۔ ایک جماعت لے کر نکلے اور آٹھ میل جاکر مقام حمرالاسد میں قیام کیا۔ غرض یہ تھی کہ قوت کا اظہار ہو۔ اور کفار یہ نہ سمجھیں کہ شکست کی وجہ سے مسلمانوں میں مقابلہ کی طاقت نہیں رہی۔

آپؐ کا یہ اندیشہ بالکل صحیح نکلا۔ کیونکہ ابو سفیان نے مقام روحا میں پہنچکر سرداروں کے مشورہ سے پھر مدینے کی طرف پلٹنے کا ارادہ کیا تھا۔ تاکہ مسلمانوں کا بالکل استیصال کر کے مکہ کو واپس جائیں لیکن جب ان کو یہ خبر ملی کہ آنحضرتؐ مع اپنے اصحاب کے ان کے تعاقب میں نکلے ہیں تو اپنے ارادے سے باز رہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب حمرالاسد سے واپس ہوئے تو راستہ میں عمرو جمحی شاعر جس نے کفار کو اپنے اشعار سے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے برانگیختہ کیا تھا ہاتھ لگ گیا۔ ہر چند اس نے معافی مانگی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب میں نہیں چھوڑوں گا کہ تو جاکر مکہ میں یہ کہے گا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ

فریب دے کر رہائی حاصل کی۔ چنانچہ وہ قتل کیا گیا۔

غزوۂ احد کے متعلق سورۂ آل عمران کی ساٹھ آیتیں نازل ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ہزیمت پر مسلمانوں کی تعزیت کی اور ان کو صبر کی تلقین فرمائی اور جس کمزوری کا ان سے اظہار ہوا تھا۔ یعنی آنحضرت صلعم کے حکم کے خلاف درّہ کو چھوڑ کر وہ غنیمت پر ٹوٹ پڑے تھے اس پر لطیف پیرایہ میں ملامت کی اور امام کے حکم کی مخالفت کو نظام فوجی کی روح کے منافی قرار دے کر فرمایا کہ شکست کا حقیقی سبب یہی تھا۔ منافقوں سے جو مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر واپس چلے آئے تھے۔ بیزاری کا اظہار کیا۔ اور بدحواسی میں جو لوگ بھاگ گئے تھے ان کی معافی کا اعلان کیا۔ ان لوگوں کے اُخروی انعام کا ذکر فرمایا جو اس وقت جنگ میں شہید ہوئے۔ اور کہا کہ ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ ہمارے پاس زندہ ہیں اور خوش ہیں آخر میں ان لوگوں کی مدح فرمائی جو زخموں سے چور ہونے کے باوجود دوسرے دن کفار کے تعاقب میں نکلے۔

واقعہ رجیع

قبیلہ خزیمہ کی دو شاخوں عضل اور قارہ کے چند آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہمارے یہاں کچھ لوگ مسلمان ہو گئے۔ اگر آپ چند صحابہؓ کو بھیج دیں کہ وہ ان کو اسلام اور قرآن کی تعلیم دیں تو بہت مناسب ہو۔ آنحضرتؐ نے مرثد غنوی کو مع پانچ آدمیوں کے ان کے ساتھ کر دیا۔ ان لوگوں نے مقام رجیع میں پہنچکر غداری کی

اور قبیلہ ہذیل کے دو سو آدمیوں کو ان صحابہ کے قتل کے لئے بلا لائے۔ یہ لوگ ان کو دیکھ کر گھبرائے اور مجبوراً تلواریں لے کر مدافعت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ کافروں نے فریب دینے کے لئے ان سے کہا کہ ہم تم کو امان دیتے ہیں۔ قتل کرنا نہیں چاہتے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ تمہارے ذریعے سے مکہ والوں سے ہم کو کچھ وصول ہو جائے۔ مسلمانوں نے امان نہیں قبول کی۔ تین آدمی لڑ کر شہید ہو گئے۔ باقی تین کو انھوں نے پکڑ لیا۔ ایک کو راستے میں مار ڈالا اور دو کو جن کے نام خبیبؓ اور زیدؓ تھے مکہ میں لے جا کر قریش کے ہاتھ بیچ دیا۔

حضرت زیدؓ کو صفوان بن اُمیہ نے خریدا تھا۔ جب مکہ سے باہر لے جا کر ان کو قتل کرنے لگے تو ابو سفیان نے پوچھا کہ زید اگر تمہاری جگہ پر یہاں آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کئے جاتے اور تم اپنے گھر میں آرام سے رہتے تو کیا خوش نہ ہوتے۔ انھوں نے کہا کہ اللہ گواہ ہے کہ مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے۔

ابو سفیان بولے کہ کسی شخص کو میں نے ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کو اس قدر عزیز رکھتے ہوں جس قدر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب ان کو عزیز رکھتے ہیں۔

حضرت خبیبؓ نے اُحد کی لڑائی میں حارث کو قتل کیا تھا۔ حارث کے

بیٹوں نے ان کو مول لیا۔ جب قتل کرنے لگے تو انھوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی۔ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں دیر تک پڑھتا اور دعا مانگتا۔ لیکن تم کہتے کہ موت سے ڈرتا ہے۔

اسی وقت سے یہ دستور ہو گیا کہ کوئی مسلمان جب قتل ہونے لگتا ہے تو دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہے۔

بئر معونہ

صفر ۴ھ ہجری میں ابو براء عامری آنحضرتؐ سے ملنے آئے۔ آپ نے ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا۔ وہ نہ اسلام لائے نہ اس کی مخالفت کی۔ لیکن یہ کہا کہ آپ چند صحابہ کو نجد کی طرف بھیج دیں تو مجھے امید ہے کہ وہاں کے لوگ اس دین کو قبول کرلیں گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ نجد والے ان کو مار ڈالیں گے۔ ابو براء نے کہا کہ میں ان کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ آپ نے منذر بن عمر کے ساتھ چالیس آدمی روانہ کیے کہ قبائلِ نجد میں تبلیغ اسلام کریں۔ ان لوگوں نے مقامِ بئر معونہ میں پہنچ کر وہاں کے رئیس عامر بن طفیل کے پاس حرام بن ملحان کے ہاتھ آنحضرتؐ کا خط بھیجا۔ عامر نے نخوت میں آکر حرام کو مار ڈالا اور قبیلہ بنی عامر سے کہا کہ جا کر مسلمانوں کو قتل کر ڈالو۔ ان لوگوں نے کہا کہ جب ابو براء نے ان کو اپنی حمایت میں لیا ہے تو ہم کیسے قتل کرسکتے ہیں۔ عامر نے بنی سلیم کے قبائل کو پکارا وہ آکر جمع ہوئے۔ ان کو ساتھ لے کر خود مسلمانوں پر حملہ کیا اور ان کی فرودگاہ میں اچانک پہنچ کر سب کو قتل

کر دیا۔ صرف دو آدمی بچ سکے۔ ایک تو عمرو بن امیہ جن کو عامر نے پکڑ لیا تھا لیکن یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام کو آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔ دوسرے کعب بن زید کہ زخمی ہو کر لاشوں کے نیچے دب گئے تھے۔ اور دشمن ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ جب ہوش آیا تو وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے۔

عمرو بن امیہ مدینہ کو واپس آ رہے تھے۔ راستہ میں ان کو قبیلہ بنی عامر کے دو آدمی ملے۔ ان دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امان نامہ لکھ کر دیا تھا۔ لیکن عمرو کو کیا خبر۔ یہ بنی عامر سے چلے ہوئے تھے دونوں کو بے خبری میں قتل کر ڈالا اور مدینہ میں آ کر تمام ماجرا سنایا۔

آنحضرتؐ کو مسلمانوں کے اس طرح قتل ہو جانے کا نہایت صدمہ ہوا فرمایا کہ یہ سب ابو براء کی وجہ سے ہوا مجھے تو پہلے ہی اس سے خطرہ تھا۔

عمرو نے جن دونوں آدمیوں کو قتل کر دیا تھا ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کا خون بہا مجھے دینا ہوگا۔

بنی نضیر

آنحضرتؐ نے بنی عامر کے دونوں قتیلوں کا خوں بہا ادا کرنے کے لئے یہود کے قبیلہ بنی نضیر سے امداد طلب کی۔ کیونکہ معاہدہ باہمی کی رُو سے اس میں انکی شرکت لازمی تھی چنانچہ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہ لوگ بظاہر تو مدد دینے کی تیاری کرنے لگے لیکن درپردہ اس فکر میں پڑے کہ آپؐ کو جان سے مار ڈالیں۔

سرورِ عالم ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے ایک یہودی کو کوٹھے پر چڑھادیا کہ اوپر سے سر پر ایک پتھر گرادے کہ ہلاک ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ارادہ کی اطلاع آپ کو دے دی۔ اسی وقت مدینہ کو واپس چلے آئے اور صحابہ کو ان کی غداری سے مطلع کیا۔

بنی نضیر نے پھر آپؐ کو بلایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہم کو تمہارے اوپر بھروسہ نہیں ہے۔ تم لوگ ازسرِنو عہد نامہ لکھو مگر وہ اس پر رضامند نہ ہوئے۔ یہود کا دوسرا قبیلہ بنی قریظہ تھا ان کے ساتھ آپؐ نے معاہدہ کی تجدید کرنی چاہی۔ وہ راضی ہو گئے۔ لیکن بنی نضیر کے پاس چونکہ مضبوط قلعے تھے اور مدینہ کے منافقین بھی درپردہ ان کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔

آنحضرتؐ ربیع الاول ۴ھ میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ان سے لڑنے کے لئے نکلے۔ وہ اپنے قلعوں میں بیٹھ رہے۔ دو ہفتہ کے محاصرہ کے بعد انھوں نے درخواست کی کہ ہم اپنا مال واسباب لے کر یہاں سے چلے جائیں گے۔ بشرطیکہ ہماری جان محفوظ رہے۔ آنحضرتؐ نے اس کو منظور فرمایا۔ وہ لوگ اپنا مال ومتاع اونٹوں پر لاد کر کچھ خیبر میں اور کچھ شام میں چلے گئے۔

اس واقعہ کے متعلق پوری سورہ حشر نازل ہوئی۔ اس میں منافقین کی پردہ دری کی گئی کہ انھیں لوگوں نے دم دے کر بنی نضیر کو سرکشی پر تیار کیا تھا۔ پھر جو مال وہ چھوڑ گئے تھے اس کے بارے میں فرمایا کہ اس کا یہی حکم ہے جو خمسِ غنیمت

لکھا ہے۔

ذات الرقاع

جمادی الاول سنہ ۴ھ میں قبیلہ غطفان نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ سرورِ عالم صحابہ کو لے کر ان کے مقابلہ کے لئے گئے۔ ان کا اجتماع ایک نخلستان میں تھا جب مسلمان اس کے قریب پہنچے تو وہ لوگ خوف سے متفرق ہو گئے اور لڑائی نہیں ہوئی۔

بدر دوم

شعبان سنہ ۴ھ میں حسب وعدہ آنحضرتؐ مع صحابہ کے مقام بدر میں پہنچے۔ ابوسفیان بھی قریش مکہ کو لے کر نکلے لیکن عسفان کے قریب پہنچکر کہا کہ اس سال چونکہ قحط ہے اس لئے چلنا مناسب نہیں معلوم ہوتا نہ ہم کو پانی ملے گا نہ گھوڑوں کو چارہ۔ یہ کہہ کر پھر مکہ کو پلٹ آئے۔

غزوۂ خندق

بنی نضیر کے جو لوگ خیبر میں جا کر رہے تھے۔ ان میں سے بعض سردار قبیلہ بنی وائل کی ایک جماعت کو اپنے ہمراہ لے کر مکہ پہنچے اور قریش کو اپنے ساتھ اس بات پر متفق کیا کہ مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں۔ پھر غطفان کے قبیلے سے بھی یہی کہا۔ چنانچہ قریش اور غطفان دونوں اپنی پوری طاقت کے ساتھ اسلام کو مٹانے کے لئے نکلے۔ قریش کے سپہ سالار ابوسفیان اور غطفان کے عینیہ بن حصن فزاری تھے۔ دونوں کی مجموعی تعداد ۲۴ ہزار تھی۔ بنی نضیر اور بنی وائل کے لوگ بھی ساتھ ہو گئے۔

چونکہ اس میں عرب کے متعدد قبائل متحد ہو گئے تھے۔ اس لئے اس کو جنگ احزاب کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے رائے دی کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کریں اور کھلے میدان کے بجائے اپنی حفاظت کے لئے اردگرد خندق کھود دیں۔ اہلِ عرب کو خندق کھود کر مورچہ بندی کرنے

سے واقف نہ تھے۔ لیکن آنحضرتؐ نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ اور ۸ ذیقعدہ ۵ھ ہجری کو تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے باہر نکلے۔ پانچ ہاتھ گہری خندق اسلامی لشکر کے اردگرد چاروں طرف کھودی گئی۔

قریش اور غطفان وغیرہ کوہِ احد کے متصل پہنچکر خیمہ زن ہوئے۔

بنی نضیر کا سردار حیی بن اخطب بنی قریظہ کے رئیس کعب بن اسد کے پاس آیا اور کہا کہ میں اب کے اس قدر جنگ آوروں کو فراہم کر کے لایا ہوں کہ مسلمان ہرگز ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے۔ تم بھی ہمارا ساتھ دو۔ اس نے کہا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ کر چکا ہوں اور اب تک ان سے بجز وفاداری کے کوئی دوسری بات نہیں دیکھی۔ اس لئے عہد کو نہیں توڑ سکتا۔ لیکن ابن اخطب نے اس قدر اصرار کیا اور اس کو ایسا سبز باغ دکھایا کہ آخر وہ معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے دشمنوں کے ساتھ مل گیا۔

آنحضرتؐ کو جب اس کی خبر ملی تو قریش اور غطفان کے معاملہ سے بھی زیادہ اس کا اندیشہ ہوا۔ اس لئے کہ بنی قریظہ پڑوسی تھے۔ ان کی خیانت اور بدعہدی سے نقصان کا زیادہ احتمال تھا۔ آپؐ نے دو انصاری سرداروں حضرت سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کو جو زمانہ جاہلیت میں بنی قریظہ کے حلیف تھے بھیجا کہ جا کر اس واقعہ کی اصلیت دریافت کریں۔ یہ دونوں حضرات جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ واقعی انھوں نے پیمان توڑ ڈالا ہے اور لڑائی کی تیاری

ہیں ہیں۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے ان کو سخت سست کہنا شروع کیا لیکن سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ جانے دو۔ ہمارے اور ان کے درمیان جو معاملہ ہے وہ اس زبانی جھگڑے سے بہت بڑھ کر ہے۔

جب ان لوگوں نے آکر اس خبر کی تصدیق کی تو آنحضرتؐ کو سخت قلق اور اضطراب ہوا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کی مصیبت انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ تین تین دن کا فاقہ۔ خندق کی کھدائی۔ سرمایہ کی کمی اور ہر طرف سے دشمنوں کا نرغہ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔

إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝

جب دشمن بلندی اور پستی کی طرف سے تم پر آگئے۔ آنکھیں پتھرانے لگیں اور دل منہ تک لپٹنے لگے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ تب مسلمانوں کی آزمائش کا وقت آگیا اور سخت زلزلہ ان پر طاری ہوگیا۔

منافقین کا نفاق ظاہر ہونے لگا اور وہ اپنے گھروں کی محافظت کے بہانے سے کھسکنے لگے۔

اسی سختی اور مصیبت کی حالت میں مسلمانوں کو بیس دن سے زیادہ گزر گئے۔ آنحضرتؐ نے دشمنوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے غطفان کے رئیس عینیہ کے ساتھ گفتگو شروع کی کہ اگر تم اپنے قبیلہ کو لے کر واپس چلے جاؤ تو ہم مدینہ کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ سالانہ تم کو دیتے رہیں گے۔ اس نے قبول کر لیا۔ لیکن قبل اس کے کہ کوئی عہد نامہ ہو آپؐ نے انصار کے دونوں سردار حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو بلا کر اس کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ اللہ کے حکم سے ایسا کرتے ہیں یا اپنی رائے سے ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اپنی رائے سے۔ انھوں نے کہا کہ جب ہم مشرک اور بت پرست اور اللہ کی معرفت اور اس کی عبادت سے ناواقف تھے۔ اس وقت بھی ان کا یہ حوصلہ کبھی نہ ہوا کہ مدینہ کا ایک خرما بھی بلا قیمت لے سکیں۔ اب جب کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے ہدایت اور عزت دی ہے تو ہم ان کو مدینہ کی تہائی پیداوار مفت میں دے دیں۔ یہ ہم سے کبھی نہ ہوگا سوائے تلوار کے ان کے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ یہ سنکر آپؐ مطمئن ہو گئے اور عہد نامہ نہیں لکھا۔

اس درمیان میں ایک دن قریش کے چند نوجوان جنگ کے جوش میں گھوڑے دوڑاتے ہوئے مسلمانوں پر حملہ کے لئے بڑھے۔ ایک مع گھوڑے کے خندق میں گر کر ہلاک ہو گیا۔ دوسرے کو مسلمانوں نے پکڑ کر قتل کر ڈالا۔ اور بعض خندق کے پار نکل آئے۔ ان میں سے عمرو بن دُعرب کا نامی شہسوار تھا۔ حضرت علیؓ

نے پہنچکر اس کو قتل کیا۔ کفار خندق کے باہر سے تیر برساتے رہے اور دن بھر لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔

مسلمانوں نے عورتوں اور بچوں کو ایک محفوظ قلعہ میں رکھ چھوڑا تھا۔ بنی قریظہ کا ایک یہودی اس کے قریب آکر حملے کے راستے کا سُراغ لگا رہا تھا۔ آنحضرتؐ کی پھوپی حضرت صفیہؓ نے اس کو دیکھ لیا۔ حسّان بن ثابت سے جو دربار نبویؐ کے شاعر تھے اور مستورات کے ساتھ چھوڑ دیے گئے تھے کہا کہ باہر نکل کر اس کو قتل کردو۔ حسان میں جرأت نہ تھی۔ انھوں نے کہا کہ میں اس کام کا نہیں ہوں آخر خود حضرت صفیہؓ نے نکل کر ایک ایسا لٹھ مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور وہ مرگیا۔ پھر انھوں نے حسان سے کہا کہ تم اس کے ہتھیار اتار لاؤ۔ لیکن وہ اس پر بھی آمادہ نہ ہوئے۔ مجبوراً حضرت صفیہ خود گئیں۔ اس کے ہتھیار لئے اور اس کا سر کاٹ کر دوسری طرف جہاں اور یہودی کھڑے ہوئے تھے نیچے پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر وہ ڈر گئے اور سمجھے کہ یہاں کچھ محافظ ہیں۔

مسلمان اس محاصرہ اور مصیبت سے تنگ آکر دعا کرتے تھے آخر ایک دن رات کو نعیم بن مسعود جو غطفان کے ایک ہر دلعزیز اور ممتاز رئیس تھے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں سچے دل سے مسلمان ہوگیا ہوں لیکن میری قوم کو ابھی تک اس کا مطلق علم نہیں اس لیے آپ مجھے جو بھی حکم دیں میں اس کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایک آدمی سے بجز اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے دشمنوں میں تفرقہ ڈالے۔ جنگ میں اس قسم کی دراندازی جائز ہے۔ یہ سنکر وہ واپس چلے گئے اور بنی قریظہ کے سرداروں کو جو ان کے پرانے دوست تھے بلاکر کہا کہ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم نے کچھ سوچا ہے کہ کیا کر رہے ہو۔ میں تمہارا خیرخواہ اور قدیمی دوست ہوں۔ صاف صاف کہتا ہوں کہ قریش کی حالت تمہاری حالت سے مختلف ہے۔ وہ نہ یہاں کے باشندے ہیں نہ یہاں ان کے اموال و اولاد ہیں اگر وہ محاصرہ اٹھا کر چلے گئے تو پھر تم اکیلے مسلمانوں کے مقابلہ کی طاقت کہاں سے لاؤ گے۔ اس لئے میں تمہاری خیرخواہی کے لحاظ سے مشورہ دیتا ہوں کہ قریش کے چند سرداروں کو اپنے پاس بطور ضمانت کے لے کر رہن رکھ لو تاکہ پھر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ کر بھاگ نہ سکیں۔ یہود کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی۔

اس کے بعد نعیم اٹھ کر رؤسا قریش کے پاس گئے اور ابو سفیان سے کہا کہ اس وقت رات کو مجھے ایک راز کی بات معلوم ہوئی ہو چونکہ تمہارا دوست اور قدیمی خیرخواہ ہوں اس لئے میں نے اپنا فرض سمجھا کہ تم کو اس سے مطلع کردوں۔ ایسا نہ ہو کہ فریب میں آجاؤ اور وہ یہ ہے کہ بنی قریظہ کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ عہدنامہ تھا وہ اس کے خلاف ہمارے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوگئے اب انھوں نے خوفزدہ ہو کر ان کے پاس کہلا بھیجا ہے کہ ہم عہدشکنی پر نادم ہیں اور پھر معاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔ مزید اطمینان کے لئے قریش اور غطفان کے چند

سرداروں کو ہم آپ کے حوالہ کریں گے۔ ضرورت ہے کہ ہم لوگ متحد ہو کر یہاں سے ان کو نکال دیں۔ ورنہ وہ مدینہ اور اطراف مدینہ سب پر قبضہ کرلیں گے۔

پھر انھوں نے غطفانی رئیسوں کو جمع کرکے یہی ان سے کہا۔

شنبہ کی رات کو قریش اور غطفان نے عکرمہ بن ابی جہل کو چند آدمیوں کے ہمراہ بنی قریظہ کے پاس بھیجا کہ یہاں پڑے پڑے ہمارے اونٹ اور گھوڑے مر رہے ہیں اور آدمی تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ صبح کو نکلکر جو کچھ کرنا ہے کر ڈالیں۔

بنی قریظہ کے سرداروں نے جواب دیا کہ کل تو سبت کا دن ہے جس میں ہم کوئی کام نہیں کرتے۔ علاوہ بریں ہم اس وقت تک لڑائی نہیں کریں گے جب تک تم اپنے سرداروں کو بطور ضمانت کے ہمارے حوالہ نہ کردو کیونکہ ہم کو شبہ ہے کہ تم لوگ کہیں ہم کو مسلمانوں کے مقابلہ میں تنہا چھوڑکر اپنے اپنے گھروں کو واپس نہ چلے جاؤ۔

قریش اور غطفان کو یہ سنکر نعیم کی بات کا یقین ہو گیا۔ انھوں نے بنی قریظہ کو کہلا بھیجا کہ ہم اپنے کسی آدمی کو تمہارے حوالہ نہیں کرسکتے۔ اگر تمھیں لڑنا ہے تو نکل کر ہمارا ساتھ دو۔ بنی قریظہ نے کہا کہ جب تک ہمارا اطمینان نہ کردیا جائے ہم لڑائی میں تمہارا ساتھ ہرگز نہیں دے سکتے۔ اس کی وجہ سے باہم بددلی پھیل گئی۔

علاوہ بڑے جاڑے کی راتیں تند آندھیوں کے جھونکے اتنی بڑی جمعیت کے لئے سامان کی فراہمی کی دشواری۔ ان سب باتوں سے قریش تنگ آگئے تھے۔

آنحضرتؐ نے جب یہ خبریں سنیں تو حضرت حذیفہؓ کو تجسس حال کے لئے بھیجا۔ رات کو وہ جا کر وہ قریش میں مل گئے۔ ابوسفیان نے سب کو مخاطب کر کے پہلے یہ کہا کہ ہر شخص اپنے پاس والے کو دیکھ لے کہ ہم میں کوئی اجنبی تو نہیں ہے حضرت حذیفہ نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا جو ان کے قریب بیٹھا ہوا تھا اور پوچھا کہ تم کون ہو اس نے کہا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا کہ ہم یہاں اپنے گھروں سے باہر پڑے ہوئے ہیں۔ آدمی اور جانور سب تباہ اور خستہ حال ہو گئے۔ آندھیوں کی وجہ سے آگ جلانا اور کھانا پکانا محال ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور سب لوگ ان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ اس طرح پر اللہ تعالیٰ نے مصیبت کی اس کالی گھٹا کو مسلمانوں کے سروں پر سے ہٹا دیا۔ اس احسان کا قرآن میں بھی ذکر فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ۔

اے مسلمانو! اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھو کہ جب تمہارے اوپر فوجیں آئیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور وہ لشکر بھیجے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے

اللہ تعالیٰ نے ان کافر دل کو غصہ میں بھرا ہوا نامراد واپس کیا۔
اور مسلمانوں کو لڑنے سے بچالیا۔

بنی قریظہ اس واقعہ میں مسلمانوں کی مصیبت کو جس چیز نے سب سے زیادہ ہیبت ناک بنا دیا تھا۔ وہ بنی قریظہ کی بدعہدی تھی لہٰذا اب ان کو اس کی سزا دینی لازمی تھی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر فوج کشی کی۔ انھوں نے بجائے ندامت اور پشیمانی کے اظہار کے مقابلہ کیا اور اپنے قلعوں میں پناہ لے کر بیٹھ گئے۔ ۲۵ دن تک محصور رہنے کے بعد درخواست کی کہ حضرت سعد بن معاذ ہمارے بارے میں جو حکم دیں وہ ہم کو منظور ہے کیونکہ وہ ان کے قدیمی حلیف تھے۔ آنحضرتؐ نے اس کو قبول کیا۔ حضرت سعد نے یہ فیصلہ کیا کہ ان میں سے لڑنے والے قتل کئے جائیں۔ عورتیں اور بچے قید ہوں۔ اور مال ومنال غنیمت قرار دیا جائے۔ چنانچہ ان کے چار سو مرد قتل کئے گئے ایک عورت بھی جس نے ایک مسلمان کے اوپر پتھر گرا کر اس کو شہید کر ڈالا تھا۔ قصاص میں ماری گئی۔

عجیب بات یہ ہے کہ ادھر ان یہودیوں کے ان بھائیوں پر بھی جو تو اح مدینہ سے شام میں جلا وطن کئے گئے تھے ہرقل کے ہاتھ سے موت کا دور چل رہا تھا۔ کیونکہ ایرانیوں کے غلبہ کے زمانہ میں انھوں نے شام کے عیسائیوں کے ساتھ بدسلوکی کی تھی۔ جب ہرقل نے پھر فتح پائی تو ان کو اچھی طرح سزا دی۔

غزوۂ خندق میں کل چھ مسلمان شہید ہوئے۔ ان میں سے ایک حضرت سعد بن معاذ رئیس انصاری بھی تھے۔ ان کی رگ اکحل میں ایک تیر آکر لگا تھا اس سے خون جاری رہتا تھا۔ بنی قریظہ کا فیصلہ کرنے کے بعد اسی زخم سے وفات پائی۔ مشرکین کے کشتوں کی تعداد تین تھی۔

اس واقعہ کا پورا بیان سورۂ احزاب میں نازل ہوا۔ بنی قریظہ کو ان کے قلعوں سے نکال کر قتل اور قید کرنے کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

اس جنگ کے بعد قریش کے دو نامی سردار حضرت عمرو بن عاص رضؓ اور خالد بن ولیدؓ مدینہ میں آکر اسلام لائے۔

اہل عرب اس لڑائی کے بعد مسلمانوں کے مقابلے کے لئے ڈھیلے پڑ گئے۔ چنانچہ اس جوش کے ساتھ پھر کبھی نہیں اٹھے۔

بنی لحیان آنحضرتؐ جمادی الاولیٰ سنہ ۶ ہجری میں بنی لحیان سے اصحاب رجیع کا بدلہ لینے کے لئے تشریف لے گئے۔ لیکن وہ لوگ ڈر کے مارے بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ رہے۔ اس لئے واپس چلے آئے۔

ذی قرد مدینہ میں آکر چند روز ٹھہرے تھے کہ غطفان کا سردار عیینہ چند سواروں کے ساتھ مدینہ کے اطراف میں آیا اور آنحضرتؐ کے اونٹ ہانک لے چلا۔ ایک غفاری شخص ان اونٹوں کا چرواہا تھا اس کو قتل کر دیا اور اس کی بیوی کو پکڑ لیا۔

حضرت سلمہؓ ایک صحابی جو تیر اندازی میں ماہر تھے اس غارتگری کو دیکھ کر مدد کے لیئے چلائے اور خود ان کے پیچھے لپکے۔ تیر چلاتے تھے۔ دشمن ان کو اکیلا دیکھ کر ان کی طرف پلٹتے تھے۔ وہ پیچھے بھاگتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ اس تدبیر سے ان کو پھنسائے رکھیں کہ کسی طرف سے مدد آجائے۔

مدینہ میں سلمہ کی آواز آنحضرتؐ نے سنی۔ چند آدمیوں کو سعد بن زید کے ساتھ دوڑایا اور پیچھے سے خود بھی پہونچ گئے۔ بنی غطفان کے لوگ بھاگ گئے۔ چند اونٹ ان سے چھین لئے گئے اور ان کا ایک آدمی قتل کیا گیا۔ آنحضرتؐ ایک رات دن مقام ذی قرد میں رہے۔ پھر مدینہ کو واپس آئے۔

بنی مصطلق

شعبان سنہ ہجری میں یہ اطلاع ملی کہ بنی مصطلق کا سردار حارث بن ضرار اپنے قبیلے کے لوگوں کو لیکر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ سنکر آنحضرتؐ مدینہ سے نکلے۔ مقام قدید کے قریب ٹکراؤ ان سے مقابلہ ہوا وہ شکست کھا گئے۔ ان کا مال ان کی اولاد اور عورتیں سب مسلمانوں کو غنیمت میں ملیں اور تقسیم کردی گئیں۔

رئیس قوم یعنی حارث کی بیٹی جویریہؓ تھیں ان سے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا۔ صحابہؓ نے یہ دیکھ کر کہ بنی مصطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہو گئے ان تمام لونڈیوں اور غلاموں کو آزاد کردیا جو ان کو تقسیم میں ملی تھیں۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جویریہؓ کے نکاح کی بدولت ان کا سارا قبیلہ آزاد ہو گیا۔ کوئی لڑکی اپنے خاندان کے لیئے اس سے زیادہ مبارک کیا ہو گی۔

واقعہ حدیبیہ

صحابہ اور نیز آنحضرتؐ کو بھی کعبہ کی زیارت کی خواہش تھی۔ ادھر آپؐ نے رویا میں دیکھا کہ مسلمان مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس لئے ذیقعدہ ۶ھ کو مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس خیال سے کہ کفار جنگ کا گمان نہ کریں۔ عمرہ کا احرام باندھا اور قربانی کے اونٹ ساتھ لئے۔

قریش کو جب اس کی خبر ملی تو انھوں نے مدافعت کی تیاری شروع کی آنحضرتؐ نے مکہ کے قریب پہنچکر مقام حدیبیہ میں قیام فرمایا۔

قریش کی طرف سے قبیلہ خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقا چند آدمیوں کے ہمراہ خدمت میں حاضر ہوئے اور آنے کی غرض دریافت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم صرف کعبہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ کسی سے لڑائی مقصود نہیں۔ انھوں نے قریش سے کہا۔ سرداران قریش نے جواب میں کہلا بھیجا کہ گو تم لوگ لڑنے کے لئے نہیں آئے ہو۔ لیکن ہم تم کو مکہ میں نہیں داخل ہونے دینگے۔ ہم یہ ننگ گوارا نہیں کر سکتے کہ تمام عرب میں یہ چرچا ہو جائے کہ ہمارے دشمن

زبردستی مکہ میں داخل ہو کر عمرہ کر گئے۔

پھر مکہ والوں نے حلیس بن علقمہ کنانی قبائل احابیش کے رئیس اعظم کو قاصد بنا کر بھیجا۔ اس نے جب قربانی کے اونٹ دیکھے تو اس کو یقین آگیا کہ مسلمان صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ چنانچہ وہ راستہ ہی سے واپس گیا اور جا کر قریش کو اطلاع دی۔ انھوں نے کہا کہ تم بدو ہو تمہیں کیا خبر؟ یہ سنکر اس کو غصہ آگیا۔ اس نے کہا کہ اے جماعت قریش! ہم نے تمہارے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے تم اس کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔ جو شخص بیت اللہ کی تعظیم کے خیال سے اس کی زیارت کو آتا ہے تم کیوں اس کو روکتے ہو۔ مسلمانوں کو عمرہ کر لینے دو۔ ورنہ میں اپنے تمام قبیلے کو لے کر تم سے لڑوں گا۔ قریش نے اس کے غصے کو ٹھنڈا کیا اور کہا کہ یہ معاملہ بہت سخت ہے۔ ہم کو اپنی منشاء کے مطابق کام کرنے دو۔

قریش کے خودسر نوجوانوں کی ایک جماعت مکہ سے نکل کر وادی میں آئی کہ موقع پا کر آنحضرتؐ پر حملہ کرے۔ لیکن صحابہ نے ان کو دیکھا اور گرفتار کر لیا۔ جب سامنے لائے تو رحمت عالم نے ان سب کو چھوڑ دیا۔

اس کے بعد عروہ بن مسعود سردار بنی ثقیف قریش کی طرف سے آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ یہ بھیڑ اپنے ساتھ لے کر خود اپنی قوم کو مٹانے کے لئے آئے ہیں! قریش مسلح ہو کر آ رہے ہیں۔ ان لوگوں کو تاب نہیں کہ ان کے مقابلہ میں ٹھہر سکیں۔ آپ کو چھوڑ کر گرد کی طرح اڑ جائیں گے۔

عروہ کا یہ کلام مسلمانوں کو گراں گزرا۔ حضرت ابوبکرؓ نے نہایت سخت جواب دیا۔ اس پر عروہ نے کہا کہ ابوبکر! تمہارا ایک احسان میری گردن پر ہے جس کو میں اب تک اتار نہیں سکا ہوں ورنہ میں بھی سخت کلامی سے پیش آتا۔

آنحضرتؐ نے عروہ سے بھی وہی کہا کہ ہم صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں اور جنگ کا کوئی خیال نہیں ہے۔

عروہ نے یہ دیکھا کہ صحابہ آنحضرتؐ کے ساتھ ایسی شیفتگی رکھتے ہیں اور اس قدر تعظیم کرتے ہیں کہ نظر اٹھا کر روئے مبارک کی طرف نہیں دیکھتے اور ان کے وضو کا جو پانی گرتا ہے اس کو لے کر آنکھ اور منہ پر مل لیتے ہیں۔ واپس جاکر قریش سے کہا کہ میں قیصر اور کسریٰ کے درباروں میں بھی گیا ہوں۔ لیکن میں نے کسی بادشاہ کو اپنے ساتھیوں میں اتنا محبوب اور باعزت نہیں دیکھا جس قدر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب میں ہیں وہ لوگ کسی طرح بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔ تمہارے دل میں جو آئے وہ کرو۔

چونکہ معاملہ ابھی طے نہیں ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو منتخب کیا کہ قریش کے پاس بھیجیں۔ انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! قریش کے ساتھ جس قدر سختی اور عداوت کا اظہار میں نے کیا ہے اس سے وہ واقف ہیں۔ اس لئے ان کی طرف سے مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ علاوہ بریں میرے قبیلہ بنی عدی کا بھی کوئی شخص مکہ میں موجود نہیں ہے جو مجھے پناہ دے۔

میری رائے یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ بھیجے جائیں۔ کیونکہ وہ خاندان بنی اُمیہ کے ایک باعزت رکن ہیں۔

آنحضرتؐ نے ان کی رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمان کو قریش کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ جس وقت وہ مکہ میں داخل ہوئے تو ان کے قبیلہ کے ایک رئیس ابان بن سعید ان کو پناہ دے کر اپنے ساتھ لے گئے۔ انھوں نے سردارانِ قریش کو آنحضرت صلعم کا پیغام پہنچایا۔ لوگوں نے کہا کہ تم کو خود اگر کعبہ کا طواف کرنا ہے تو کر لو۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور ان کے اصحاب کو ہم مکہ میں نہیں آنے دیں گے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ بلا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے میں کیسے طواف کر سکتا ہوں۔

قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا۔ ادھر مسلمانوں میں یہ خبر شائع ہو گئی کہ وہ قتل ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو جب تک ہم ان کے خون کا بدلہ نہ لیں گے یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔ یہ کہہ کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور تمام صحابہؓ سے جن کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی جاں نثاری کی بیعت لی۔

اسی کا نام بیعتِ رضوان ہے۔ اس کا ذکر قرآن میں ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

جب مسلمان درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے تو

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔

لیکن حضرت عثمانؓ کے قتل کی افواہ غلط نکلی۔

قریش نے سہیل بن عمرو کو آنحضرتؐ کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ صلح صرف اس طریق سے ہو سکتی ہے کہ امسال آپ مع اپنے ساتھیوں کے واپس چلے جائیں۔ آئندہ سال آکر عمرہ کریں۔

جب وہ آئے تو آنحضرتؐ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ قریش نے جب اس شخص کو بھیجا ہے تو معلوم ہوتا ہے ان کا ارادہ مصالحت کا ہے۔ گفتگو کے بعد مندرجہ ذیل شرائط پر صلح ہوئی۔

(۱) مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔ آئندہ سال آئیں اور سوائے تلوار کے کہ وہ بھی میان میں ہو گی اور کوئی ہتھیار لگا کر مکہ میں داخل نہ ہوں ان کو تین دن تک حرم میں ٹھہرنے کی اجازت ہو گی ان دنوں میں قریش باہر نکل جائیں گے۔

(۲) قبائل عرب میں سے مسلمان جس قبیلہ سے چاہیں معاہدہ کریں اور قریش جس کو چاہیں اپنا حلیف بنائیں اس معاملہ میں دونوں فریق آزاد ہیں۔

(۳) اگر قریش میں سے کوئی شخص بلا اجازت اپنے ولی کے مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا تو واپس کیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس آجائے گا تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۴) فریقین میں دس سال تک لڑائی نہ ہو گی اور باہم امن و امان کیساتھ رہینگے۔

اس معاہدہ کی تیسری شرط بظاہر مسلمانوں کے لئے بہت سخت تھی اور اتفاق یہ کہ جس وقت یہ عہدنامہ لکھا گیا اسی وقت خود سہیل کے بیٹے ابو جندل جو مسلمان ہو گئے تھے مکہ سے کسی صورت سے بھاگ کر آنحضرت کی خدمت میں آ گئے۔ اور کافروں نے ان کو سخت سزائیں دی تھیں۔ اور ان کے جسم پر جا بجا زخم تھے انھوں نے وہ زخم دکھلائے اور فریاد کی۔ ان کے باپ کو آنحضرت نے بہت سمجھایا کہ ان کو ہمارے ساتھ مدینہ جانے کی اجازت دے دو۔ لیکن وہ راضی نہ ہوئے آخر عہدنامہ کی شرط کے مطابق ان کو واپس کیا۔ بعض مسلمان یہ دیکھ کر تڑپ اٹھے حضرت عمرؓ کو تاب ضبط نہ رہی۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچکر کہا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نبی برحق نہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ بیشک میں نبی برحق ہوں۔ انھوں نے کہا کیا ہم مسلمان نہیں؟ ارشاد ہوا کیوں نہیں۔ پھر کہا کہ کیا وہ لوگ مشرک نہیں؟ فرمایا کہ ہیں۔ تب وہ بولے کہ ایسی حالت میں پھر ہم دین کے معاملہ میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے حکم کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ وہ مجھے ہرگز خوار نہ کرے گا۔

حضرت عمرؓ اس بے تابانہ جوش کے فرد ہونے پر اپنی اس جرأت پر بہت پشیمان ہوئے۔ زندگی بھر ان کو اس کا افسوس رہا۔ اور اس کے کفارہ کے لئے توبہ اور استغفار کے علاوہ صدقے۔ خیرات نیز بردے آزاد کرتے رہے۔

اس عہدنامہ کے کاتب حضرت علیؓ تھے۔ انھوں نے اسلامی قاعدے کے

مطابق شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی۔ سہیل نے کہا کہ عربی دستور کے موافق باسمک اللّٰھم۔ لکھو۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اسی طرح لکھ دو۔ "محمد رسول اللہ" کے لکھنے پر بھی سہیل کو اعتراض ہوا۔ انھوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کو رسول تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ صرف اپنا نام مع ولدیت کے لکھائیے۔ آپؐ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں خواہ تم لوگ مانو یا نہ مانو۔ اس کے بعد حضرت علیؓ سے کہا کہ اس لفظ کو مٹا دو۔ باوجود فرمانِ نبویؐ کے ان کی غیرت نے گوارہ نہ کیا کہ رسول اللہ کے لفظ کو مٹائیں اور کہا کہ مجھ سے یہ نہ ہو سکیگا۔ اس پر آنحضرت صلعم نے خود اپنے ہاتھ سے اس کو مٹا دیا۔

عہد نامہ کے مکمل ہونے کے بعد خزاعہ آنحضرتؐ کے حلیف ہو گئے۔ اور بنی بکر قریش کے۔ مسلمانوں نے اسی مقام پر سر کے بال تراشے۔ جامہ ہائے احرام اتارے قربانیاں کیں اور پھر مدینہ کو واپس ہوئے۔ اس واقعہ کے متعلق پوری سورۂ فتح نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کی پہلی آیت میں اس صلح کو جس کو مسلمان شکست خیال کرتے تھے "فتح نمایاں" کا لقب دیا۔ کیونکہ اب تک اہلِ عرب اور خاص کر قریش اسلام سے برسرِ پرخاش تھے اس صلح سے امن ہو گیا۔ اور لوگوں کو مسلمانوں سے ملنے اور اسلام پر غور کرنے کا موقع ملا۔ نیز دعوتِ اسلام کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔ اور اہلِ اسلام بلا خوف و خطر قبائل میں آنے جانے لگے۔ آنحضرتؐ نے

بادشاہوں، امراء اور رؤساء قبائل کے ساتھ مراسلت شروع کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ کثرت کے ساتھ اسلام لانے لگے اور مسلمانوں کی تعداد برابر بڑھنے لگی۔ اس لیے اس صلح میں کفار کے ساتھ جو خفیف رعایت برتی گئی اس کے مقابلہ میں اس عظیم الشان نفع کا حاصل ہو جانا حقیقت میں فتح تھی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے رضامندی ظاہر کی جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ پھر وہ اسباب بیان فرمائے جن کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ سے احتراز کرنا پڑا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رؤیا کے متعلق ارشاد کیا کہ وہ برحق ہے اور یقیناً تم مسجد حرام میں داخل ہو گے لیکن اس سے پہلے تم کو یہ فتح عطا کر دی۔ اور وہ وعدہ آئندہ پورا ہو کر رہے گا۔ آخر میں صحابہ کی مدح فرمائی۔ اور توریت و انجیل سے ان کی بہترین تمثیل اور تعریف نقل کی۔

معاہدہ کی تیسری شرط کو اللہ تعالیٰ نے سورہ ممتحنہ میں صرف مردوں کے لیے محدود کر دیا اور فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان عورت ہجرت کر کے چلی آئے تو اس کو واپس نہ کرو۔

کچھ دنوں کے بعد ایک مسلمان ابو بصیر کفار کی سختیوں کی تاب نہ لا کر مکہ سے بھاگے اور مدینہ میں آکر پناہ لی۔ قریش نے دو آدمی بھیج کر ان کو طلب کیا۔ آنحضرتؐ نے معاہدہ کی شرط کے مطابق ان دونوں کے ہمراہ ان کو واپس کر دیا۔ ابو بصیر نے راستہ میں ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ دوسرا خوف کی وجہ سے بھاگ کر مدینہ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور شکایت کی۔ ابو بصیر بھی آگئے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ! آپ مجھے واپس کرکے بری الذمہ ہوگئے۔ اب جو کچھ میں نے کیا ہے اس کا ذمہ دار میں خود ہوں اس کے بعد وہ مدینہ سے چلے گئے اور مقام عیص میں رہنے لگے۔

مکہ کے ستم کش مسلمانوں کو جب معلوم ہوا کہ ابو بصیر نے اپنی قوت بازو سے ایک جائے پناہ بنالی تو وہ بھاگ بھاگ کر انھیں کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ اور جب ان کی جمعیت زیادہ ہوگئی تو قریش کے کاروانِ تجارت پر حملے کرنے لگے۔ مجبوراً اہل قریش نے آنحضرتؐ کو لکھا کہ ہم معاہدہ کی شرط سوم سے باز آئے اب جو مسلمان مدینہ میں چلا جائے ہم اس کی واپسی کے خواہاں نہیں ہیں۔ اس بنا پر آپؐ نے عیص کے مسلمانوں کو جن میں ابو بصیر اور ابو جندل وغیرہ تھے مدینہ میں اپنے پاس بلالیا۔

خیبر

صلح حدیبیہ کے بعد قریش کی طرف سے تو مسلمانوں کو اطمینان حاصل ہوگیا تھا۔ لیکن خیبر کے یہود جن میں بنی نضیر اور بنی قریظہ کے لوگ جلاوطن ہوکر شامل ہوگئے تھے۔ اسلام کے سخت دشمن تھے۔ انھوں نے عداوت اور سرکشی پر کمر باندھی۔ دوسرے قبائل کو بھی مسلمانوں کے خلاف ابھارنا شروع کیا اور مدینہ پر حملہ کی تیاری کرنے لگے۔ بنی غطفان کو یہ کہہ کر اپنے ساتھ شریک کرلیا کہ مدینہ کی نصف پیداوار تم کو دی جائے گی۔

اگرچہ خیبر کا فاصلہ مدینہ سے دو سو میل ہے۔ لیکن یہاں کے منافقین کو بھی درپردہ ان یہود نے ساتھ ملا لیا تھا۔ ان منافقین جاسوسوں کی وجہ سے ان کو مسلمانوں کی ایک ایک بات کی خبر ملتی تھی۔

آنحضرتؐ نے اس سیلاب کو بڑھتا ہوا دیکھ کر مقابلہ کی تیاری کی اور محرم سنہ ۷ھ میں تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کے درمیان جن میں سے دو سو سوار تھے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچکر مقام رجیع میں جو قبیلہ غطفان اور خیبر کے بیچ میں ہے قیام فرمایا۔

یہود کے پاس چھ قلعے تھے۔ مسلمانوں نے ان کو یکے بعد دیگرے فتح کرنا شروع کیا۔ بنی غطفان۔ ان کی امداد کو نہ آئے۔

ان میں سے سب سے بڑا قبیلہ قموص تھا جس میں یہود کا مشہور سردار مرحب رہتا تھا۔ اس قلعہ کو فتح کرنے کی صحابہ نے بڑی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلا کر علم عطا کیا۔ مرحب نے قلعہ سے نکل کر جنگ کی۔ انھوں نے اس کو قتل کیا اور قلعہ فتح کر لیا۔

اہل خیبر نے درخواست کی کہ ہم یہاں کی نصف پیداوار سالانہ دیتے رہینگے۔ ہم سے صلح کر لی جائے ان کی درخواست منظور کی گئی۔ اور اسی شرط پر مصالحت ہوئی۔ یہ اختیار بھی باقی رکھا گیا کہ مسلمان جب چاہیں گے۔ یہود کو یہاں سے نکال دیں گے۔

اس لڑائی میں ۹۳ یہودی مارے گئے اور ۱۵ مسلمان شہید ہوئے۔

فدک جب واپس ہو رہے تھے تو وادی القریٰ میں فدک کے یہود نے مسلمانوں پر تیر اندازی شروع کی۔ ان کا بھی محاصرہ کیا گیا۔ آخر انھوں نے بھی خیبر والوں کی شرط پر صلح کی۔

عمرۂ حدیبیہ صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق ذیقعدہ ۷ھ میں حضورؐ صحابہ کو لے کر عمرہ کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔ قریش باہر نکل گئے۔ تین دن حرم میں رہ کر عمرہ اور طواف کر کے مدینہ واپس آئے۔

سریہ موتہ سرور عالم نے بادشاہوں کے نام جب خطوط روانہ کئے تو ایک خط شرجیل بن عمرو غسانی بادشاہ کے نام حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ بھیجا۔ غسانی نے ان کو قتل کر ڈالا۔ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں ان کے قصاص کے لئے تین ہزار فوج مدینہ سے روانہ کی۔ زید بن حارثہؓ کو اس کا امیر مقرر فرمایا اور فرمایا کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ امیر ہوں اور جو وہ بھی شہادت پائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ۔

غسانی نے اس کی خبر پا کر مقابلہ کے لئے تقریباً ایک لاکھ فوج جمع کی۔ اس زمانہ میں ہرقل قیصر روم تھا وہ مقام مآب میں جو شام کی سرزمین بلقاء میں واقع ہے ایک لاکھ فوج کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ اس نے بھی غسانی کی امداد کے لئے اپنے بعض امراء کو مع فوج کے بھیجا۔

مسلمان جب ان حدود میں پہنچے تو ایک گاؤں کے پاس جس کا نام موتہ تھا فروکش ہوئے۔ غنیم سے وہیں مقابلہ ہوا۔ حضرت زیدؓ لڑائی میں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد جعفر بن ابی طالبؓ نے علم اپنے ہاتھ میں لے لیا وہ بھی زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ ان کے جسم پر تقریباً سو زخم تھے اور سب سامنے کے حصہ پر تھے۔ پشت کی طرف ایک بھی نہ تھا۔ ان کی شہادت کے بعد عبداللہ بن رواحہؓ امیر ہوئے اور انھوں نے بھی شہادت پائی۔ آخر میں خالد بن ولیدؓ نے علم سنبھالا اور اس بہادری کے ساتھ لڑے کہ اس دن آٹھ تلواریں ان کے ہاتھ میں ٹوٹیں۔

اسی روز انھوں نے اپنی جنگی مہارت کا کامل ثبوت دیا۔ دشمنوں کی اس قدر کثیر تعداد زبردست طاقت کے مقابلہ میں بڑی شجاعت کے ساتھ لڑتے لڑتے اور پیچھے ہٹتے ہٹتے اپنی پوری فوج کو نہایت خوبی کے ساتھ ورطۂ ہلاکت سے باہر نکال لائے۔ کل بارہ مسلمان شہید ہوئے۔ مزید مقابلہ کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے مدینہ واپس چلے آئے۔ آنحضرتؐ کو جعفرؓ کی جدائی کا بڑا قلق ہوا۔

فتح مکّہ

صلح حدیبیہ کے بعد خزاعہ آنحضرتؐ کے اور بنی بکر قریش کے حلیف ہو گئے تھے ان دونوں قبیلوں میں باہم قدیمی عداوت تھی اور کچھ خون کے جھگڑے چلے آتے تھے۔ بنی بکر نے قریش سے کے معاہدے کے گھمنڈ میں خزاعہ سے لڑنے کی تیاری کی اور اپنے پرانے مقتولوں کا بدلہ لینا چاہا۔ قریش نے بھی ان کے لئے ہتھیار فراہم کئے اور ان کے بعض بعض سردار لڑائی میں بھی بنی بکر کے ساتھ شامل ہوئے۔ خزاعہ نے شکست کھا کر حدود حرم میں پناہ لی۔ بنی بکر کے سردار نوفل نے کہا کہ ایسا موقع پھر نہیں ملے گا۔ چنانچہ ان کو حرم میں ہی قتل کیا جہاں خونریزی حرام تھی۔

عمرو بن سالم خزاعی دوڑے ہوئے مدینہ میں آئے اور آنحضرتؐ سے فریاد کی کہ قریش نے عہد کو توڑ ڈالا ہے۔ بنی بکر کو ہمارے مقابلہ میں امداد دی۔ اور خاص حرم میں ہمارے آدمیوں کو قتل کیا۔ اس کے بعد بدیل بن ورقاء خزاعی بھی اپنے قبیلہ کی ایک جماعت کے ساتھ آپؐ کی خدمت میں پہنچے اور ماجرا سنا کر امداد کے طالب ہوئے۔

قریش اپنی غلطی سے دل میں خوفزدہ ہوئے۔ ان کو یقین ہو گیا کہ مسلمان معاہدے کے مطابق خزاعہ کی امداد ضرور کریں گے۔ جنگ کی وہی ہیبت صورت جس سے صلح کر کے دس برس کے لئے فراغت حاصل کی تھی پھر ان کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی۔ اس لئے انھوں نے اپنے رئیس ابوسفیان کو مدینہ میں بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کریں۔ لیکن سرورِ عالم اس پر راضی نہیں ہوئے اور وہ ناکام مکہ واپس آئے۔

آپؐ نے مسلمانوں کو مکہ کی تیاری کا حکم دیا اور احتیاط رکھی کہ قریش کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔

ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کو اس کی اطلاع دینے کے لئے ایک خط کسی عورت کے ہاتھ روانہ کیا۔ آنحضرتؐ کو اس کا علم ہو گیا۔ وہ عورت راستہ سے واپس لائی گئی اور اس کے پاس سے وہ خط برآمد ہوا۔

حاطب ایک بزرگ صحابی اور اہل بدر میں سے تھے ان کی اس حرکت سے سب کو حیرت ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے جوش میں آ کر کہا کہ یا رسول اللہ! حکم دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر! اہل بدر کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر چکا ہے۔ اس کے بعد حاطب سے اس کی وجہ دریافت کی انھوں نے کہا کہ مکہ میں چونکہ میرے اقرباء ہیں اس لئے میں نے چاہا کہ اہل مکہ پر ایک احسان کر دوں

تاکہ وہ ان کو ضرر نہ پہنچائیں۔ رحمتِ عالمؐ نے اس عذر کو قبول فرمالیا۔

۱۰ رمضان المبارک ۸ھ مطابق یکم جنوری ۶۳۰ء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ روانہ ہوئے اور مکہ کے قریب پہنچکر مقام مرالظہران میں قیام فرمایا۔

قریش کو کوئی اطلاع نہ تھی کہ اس عہد شکنی کے بدلے میں مسلمان ان سے کیا کریں گے۔ جب یہ جمعیت ان کے سر پر آگئی اور ان کی افواہ ان کے کانوں تک پہنچی تو رات کے وقت ابو سفیان مع چند دیگر سرداروں کے اس کی تحقیق کے لئے مکہ سے نکلے۔ دیکھا کہ سارے بیابان میں ہر طرف آگ روشن ہے اور آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔ رسول اللہؐ کے چچا حضرت عباسؓ کا دل اپنی قوم کے لئے بے چین تھا وہ چاہتے تھے کہ کسی صورت سے وہ مسلمان ہو جائے۔ ورنہ کل جس وقت یہ فوج مکہ پر چڑھے گی تو اس کا نشان مٹ جائے گا۔

اسی خیال سے رات کو وہ آنحضرتؐ کے خچر دلدل پر چڑھ کر مکہ کی طرف گئے۔ راستہ میں ابو سفیان سے ملاقات ہو گئی۔ ان کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ اور تیزی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے کہ ان کے لئے امان مانگ لیں۔

ابو سفیان سب سے بڑے دشمن اسلام تھے مکہ میں مسلمانوں کو ستاتے رہے پھر ہجرت کے بعد بار بار فوجیں لے کر مدینہ پر چڑھائی کرتے رہے۔ سارے مسلمان ان کے خون کے پیاسے تھے۔ حضرت عباسؓ جب ان کو آنحضرتؐ کے پاس

لا رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے راستہ ہی میں دیکھ کر پہچان لیا۔ بڑھ کر ان کے ساتھ ہی دربار رسالت میں پہنچے اور کہنے لگے کہ اب حکم دیجئے کہ اس دشمن کا سر اڑا دوں۔ آنحضرتؐ نے ان کو روکا اور ابو سفیان کو امان دے کر حضرت عباسؓ کے حوالہ کیا۔ وہ رات بھر انہیں کے خیمے میں رہے اور صبح کو آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ حضرت عباسؓ نے کہا یا رسول اللہ! ابو سفیان فخر پسند آدمی ہیں۔ ان کو کوئی امتیاز عطا فرمایا جائے۔ تو بہتر ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ مکہ کا جو شخص خانہ کعبہ یا ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کی امان ہے۔ نیز جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اس کو بھی امان ہے اور راستہ میں بھی جو شخص اپنی تلوار میان میں رکھ لے گا۔ ہم اس سے نہیں لڑیں گے۔

ابو سفیان اس بات سے بہت خوش ہوئے کہ امان کے لحاظ سے ان کا گھر کعبہ کے برابر کر دیا گیا۔ انھوں نے مکہ میں جا کر اعلان کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک لشکر لے کر آئے ہیں کہ تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر جان کی امان چاہتے ہو تو کعبہ یا میرے گھر میں پناہ لو۔ یا اپنے اپنے دروازے بند کر لو اور تلواریں میان میں رکھو۔

اسلامی لشکر شان وشوکت کے ساتھ قبیلہ وار الگ الگ مکہ کی طرف بڑھا۔ آنحضرتؐ کی تاکید تھی کہ یہ حرم ہے خونریزی مطلق نہ ہو چنانچہ

بجز دو ایک خفیف مناقشوں کے جو ذکر کے بھی قابل نہیں ہیں سب بلا مزاحمت مکہ میں داخل ہوگئے۔

حضور صلعم نے جب وہاں نزول فرمایا اور لوگ مطمئن ہوگئے تو کعبہ کی طرف چلے۔ سواری پر سات بار بیت اللہ کا طواف کیا۔ مسجد حرام میں جس قدر بت تھے سب نکلوا دیئے۔ خاص کعبہ کے اندر داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر اس کے دروازے پر کھڑے ہوگئے اور ایک تقریر فرمائی جس کا آغاز یہ ہے۔

اللہ ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اور اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے سارے جتھوں کو شکست دی۔ ہر قسم کے فخر اور خون اور مال کے دعوے میرے قدموں کے نیچے ہیں۔

اہل عرب اپنی شرافت اور اباداجداد کے کارناموں پر فخر کیا کرتے تھے اور جب کسی قبیلہ کا کوئی آدمی مارا جاتا تو پشتہا پشت تک اس کا دعویٰ زندہ رکھتے۔ اور خون یا مال یعنی خوں بہا کی شکل میں بدلہ حاصل کرتے۔ اور اس کو بڑے فخر کی بات سمجھتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے ان جاہلانہ مفاخر کو پامال کر دیا۔ پھر فرمایا۔

اے جماعت قریش! اب تمہارے جاہلیت کے گھمنڈ

اور نسب کے فخر کو اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا۔ تمام آدمی
آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدم خاک سے بنے تھے۔

کفار قریش جنھوں نے اسلام اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا مغلوب اور خوف زدہ سامنے کھڑے تھے آپؐ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا کہ:۔

تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟

انھوں نے جواب دیا کہ آپ ہمارے شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جاؤ تم سب لوگ آزاد ہو۔

کفار نے اس ترحم اور مہربانی کو دیکھ کر اسلام کی طرف قدم بڑھایا اور ایک قلیل تعداد کے سوا جو بعد میں اسلام لائی تمام اہل قریش اسی دن مسلمان ہو گئے۔ چند کافر جنھوں نے خاص جرائم کئے تھے قتل کئے گئے۔

اس کے بعد آپؐ نے کعبہ کی کنجی عثمانؓ کے حوالہ کر دی جو آج تک انہیں کی نسل میں چلی آتی ہے۔

فتحِ مکہ زمانہ سابق اور مابعد کے درمیان ایک حدِ فاصل ہے کیونکہ قریش اہل عرب کی نگاہ میں مذہبی پیشوا تھے۔ بہت سے قبائل کا رجحان اسلام کی طرف ہو چکا تھا۔ مگر وہ اسی وجہ سے رکے ہوئے تھے کہ دیکھیں

قریش کیا کرتے ہیں اس لئے قریش کا اسلام لانا گویا تمام عرب میں شرک اور بُت پرستی کا خاتمہ تھا۔ کعبہ کے بتوں کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی عرب کے سارے بت خاک میں مل گئے۔

جنگِ حُنین

فتح مکہ کے بعد بنی ثقیف اور ہوازن کے قبائل جو مکہ اور طائف کے درمیان آباد اور نہایت جنگجو اور سرکش تھے مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو کر آئے۔ مالک بن عوف ان سب کا سپہ سالار تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر ملی تو صحابہ کو لے کر مکہ سے مقابلہ کے لئے نکلے۔ اسلامی فوج کی تعداد اس وقت بارہ ہزار تھی اور ساز و سامان بھی وافر تھا۔ صحابہ جو ہمیشہ تھوڑی تعداد سے بڑی بڑی فوجوں پر غالب آجایا کرتے تھے۔ اپنی اس کثرت اور شوکت کو دیکھ کر کہنے لگے کہ اب ہمارے اوپر کون غالب آسکتا ہے ان کی یہ بات دربارِ الٰہی میں ناپسند کی گئی۔ پہلے ہی معرکہ میں جب غنیم نے تیر باری شروع کی تو تمام مسلمان درہم برہم ہو گئے اور سب کے پاؤں اکھڑ گئے صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ چند افراد میدان میں رہ گئے۔ آپ نے یہ دیکھ کر حضرت عباس سے جو بلند آواز تھے فرمایا کہ لوگوں کو پکارو۔ ان کی آواز سنکر انصار پلٹے جب ان کی تعداد ایک سو ہو گئی تو انھوں نے کفار پر حملہ کیا۔ پھر بقیہ مسلمان بھی آ گئے اور وہ بھی حملہ آور ہوئے۔ چند گھنٹوں میں

دشمنوں نے شکست فاش کھائی۔ مسلمانوں کو غنیمت میں چھ ہزار عورتیں اور بچے۔ چوبیس ہزار اونٹ۔ چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی ملی۔

قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر سورۃ توبہ میں ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۔ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۔

اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی اور حنین کے دن بھی جب تم کو اپنی کثرت پر ناز تھا حالانکہ وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود اپنی وسعت کے تمہارے اوپر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگے پھر اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر تسلی نازل کی اور وہ فوجیں اتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور کافروں کا بدلہ یہی ہے۔

شکست کھانے کے بعد ہوازن کے کچھ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں آ کر مسلمان ہو گئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کے رشتہ دار اور قرابت مند ہیں آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ ہمارے ہی قبیلہ کی تھیں۔ اگر ملوک عرب مثلاً نعمان بن منذر

یا حارث غسانی وغیرہ میں سے کسی نے ہمارے خاندان میں دودھ پیا ہوتا تو ہم کو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں۔ اور آپؐ کی ذات سے تو ہم ان سے بھی زیادہ توقع رکھتے ہیں جو عورتیں اس جنگ میں گرفتار ہو کر آئی ہیں ان میں سے بہت سی آپ کی خالائیں اور پھوپھیاں ہیں۔

آپؐ نے فرمایا تم کو اپنا مال زیادہ عزیز ہے یا عیال۔ ان لوگوں نے کہا کہ ان دونوں میں سے ہم اپنے عیال کو ترجیح دیتے ہیں۔ فرمایا کہ میرے اور بنی عبد المطلب کے حصہ میں جس قدر تمہارے عیال آئے ہیں میں تم کو واپس کر دوں گا لیکن بہتر یہ ہے کہ جس وقت میں ظہر کی نماز سے فارغ ہوں اس وقت تم لوگ جماعت کے سامنے میرا واسطہ دلا کر مسلمانوں سے اپنے عیال کو مانگو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ آنحضرتؐ نے سب کے سامنے اعلان کیا کہ عبد المطلب کی اولاد کے حصہ میں جس قدر تمہارے بال بچے ہیں۔ ان کو میں نے تمہیں بخشا۔ یہ سن کر سارے مسلمان بول اٹھے کہ جس قدر ان کے اہل وعیال ہمارے حصہ میں آئے ہیں۔ وہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے۔ اس طرح پر ہوازن کو ان کے اہل وعیال واپس مل گئے۔

مال غنیمت میں سے زیادہ تر حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤسائے قریش کو جو نئے مسلمان ہوئے تھے تالیف قلوب کے لئے عطا فرمایا۔ اس پر مدینہ کے بعض انصار کو ملال ہوا اور انھوں نے آپس میں کہا کہ آنحضرتؐ نے اپنی قوم کو تمام مال تقسیم کر دیا اور

ہم کو محروم رکھا۔ حالانکہ خود قریش ہماری تلواروں سے مغلوب ہوئے ہیں۔

آنحضرتؐ نے جب اس کا چرچا سنا تو انصار کو جمع کر کے پوچھا کہ کیا تم لوگوں نے ایسا کہا؟ انصار نے جواب دیا کہ ہمارے بعض نوجوانوں نے بے شک اس قسم کی باتیں کہیں لیکن سربرآوردہ لوگوں میں سے کسی نے کچھ نہیں کہا اور نہ ان کا ایسا خیال ہے۔ آپؐ نے ان کو مخاطب کر کے کہا:۔

کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم لوگ گمراہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے میری بدولت تم کو ہدایت عطا فرمائی۔ تم لوگ باہم دشمن تھے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا ہوا۔ تم نادار تھے میرے دم سے اللہ نے تم کو غنی کیا:

انصار ہر بات پر کہتے جاتے تھے کہ بے شک اللہ کا اور اس کے رسول کا احسان بہت بڑا ہے۔ آپؐ نے پھر فرمایا:

نہیں تم مجھ کو جواب دے سکتے ہو۔ کہ ساری دنیا نے تجھ کو جھٹلایا اور ہم نے تیری تصدیق کی۔ سب نے تجھ کو چھوڑ دیا اور ہم نے پناہ دی۔ تو محتاج تھا کہ ہم نے تیری مدد کی اور میں تمہاری ان سب باتوں کی تصدیق کروں گا۔ اے جماعتِ انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر لے چلو۔

یہ تقریر سُنکر انصار رو پڑے اور آنسوؤں سے ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں پھر آپؐ نے ان کو سمجھایا کہ یہ لوگ ابھی تازہ مسلمان ہوئے ہیں۔ تالیفِ قلوب کے خیال سے ان کو زیادہ مال دیا گیا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھو کہ ان کا حق زیادہ ہے۔

غزوۂ تبوک

جنگ موتہ جو شام کے بادشاہ غسانی سے ہوئی تھی اس کا بدلہ لینے کے لئے اس نے عیسائی عربوں کا ایک لشکر تیار کیا۔ اور قیصر سے بھی امداد طلب کی۔ اس نے چالیس ہزار فوج بھیجی۔ غسانی کا ارادہ تھا کہ مدینہ پر لشکر کشی کرے۔ اہل مدینہ یہ خبر سنکر اندیشہ مند تھے۔ آنحضرتؐ نے بھی اس کے مقابلہ کی تیاری شروع کی اور ہر ہر مسلمان قبیلہ سے فوجی اور مالی امداد طلب کی۔ چونکہ اس زمانہ میں سخت قحط تھا اور گرمی کی شدت تھی اس لئے اس لشکر کی تیاری میں بہت دشواری پیش آئی۔ منافقین مسلمانوں کو بہکاتے تھے کہ اس گرمی میں نہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کا پردہ فاش کیا۔

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ط

ان لوگوں نے کہا کہ گرمی میں نہ نکلو۔ کہدو کہ جہنم کی آگ اور زیادہ گرم ہے۔

بڑے بڑے صحابہ اور اہلِ کرم دولت مندوں خاص کر حضرت عثمان غنیؓ

کی کوشش سے اس فوج کا ساز و سامان درست ہوا۔ آنحضرتؐ ۹ھ میں اس لشکر کو لے کر جس کی تعداد تیس ہزار تھی روانہ ہوئے اور تبوک میں جو مدینہ سے چودہ منزل کے فاصلہ پر دمشق کی طرف ہے پہنچکر قیام فرمایا۔ غسانی مقابلہ کے لئے نہیں آیا۔

ایلہ کے حکمراں یوحنا نے آکر مصالحت کی اور جزیہ دینا منظور کیا۔ جرباء اور اذرح کے باشندے بھی آئے۔ انھوں نے بھی جزیہ پر صلح کی۔ دومۃ الجندل کا رئیس اکیدر قیصر کا باجگزار اور اسلام کا دشمن تھا۔ حضرت خالدؓ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا وہ گرفتار ہو کر آیا۔ آنحضرتؐ نے اس کی جان بخشی کی اس نے جزیہ دینا منظور کیا۔ دس دن تک وہاں قیام رہا۔ اس کے بعد مدینہ کو واپس تشریف لائے۔ یہی سب سے آخری غزوہ تھا۔

حج اکبر

۹ھ پہلا سال تھا جس میں مسلمانوں کے اہتمام سے حج ہوا۔ آنحضرتؐ اگرچہ خود نہیں تشریف لے گئے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کو میر حاج اور حضرت علیؓ کو نقیب بنا کر تین سو مسلمانوں کے ہمراہ مکہ بھیجا۔ قربانی کے اونٹ بھی ان کے ساتھ کر دیئے۔

ان لوگوں نے جا کر حج کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے مناسک حج لوگوں کو سکھائے اور منادی کر دی کہ آئندہ سے کوئی برہنہ اور کوئی مشرک بیت اللہ میں داخل نہ ہو۔ نیز سورۂ برأت کی ابتدائی آیتیں سنائیں اور اعلان کر دیا کہ جن مشرکین سے معاہدہ ہو چکا ہے اس کی مدت تک عہد کی پابندی کی جائے گی۔ اور جن سے کوئی عہد

نار نہیں ہوا ہے ان کو چار مہینے کی مہلت ہے۔ اس کے بعد اللہ اور رسولؐ ان سے بری الذمہ ہیں۔

اس اعلان کے بعد مکہ کے باقی ماندہ کفار بھی مسلمان ہو گئے اور عرب کے جو قبائل رہ گئے تھے ان میں سے لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں آنے شروع ہوئے اور جوق درجوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اس وقت سورۂ نصر نازل ہوئی۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجاً۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّاباً۔

جب فتح اور نصرت الٰہی آگئی اور تونے دیکھ لیا کہ اللہ کے دین میں لوگ جوق درجوق داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کی تسبیح پڑھ اور اس سے مغفرت مانگ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ نبوت اپنا فرض ادا کر چکی اب اس کو دنیا میں رہنے کی ضرورت نہیں۔

حجۃ الوداع سنہ ۱۰ھ میں خود آنحضرتؐ نے حج کا تہیہ کیا۔ قبائل عرب میں بھی اس کی اطلاع دے دی گئی۔ ۲۵ ذیقعدہ کو حضورؐ صحابہ کے ہمراہ جن میں مدینہ کی آبادی کا بیشتر حصہ تھا مکہ کو روانہ ہوئے۔ وہاں مختلف مقامات اور قبائل کے ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کا اجتماع ہوا۔ حج کے بعد آپؐ نے ان کو مخاطب

کرکے ایک موثر خطبہ دیا۔ جس کا مطلب مختصراً یہ ہے:

لوگو! توجہ سے سنو اور یاد رکھو! ممکن ہے کہ آئندہ مجھے تم میں سے ملنے کا موقع نہ مل سکے۔ جس طرح تم اس دن، اس مہینہ اور اس مقام کی حرمت کرتے ہو۔ اسی طرح ایک مسلمان کا خون، مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ایک کام کا حساب لے گا۔ دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ جس طرح تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق تمہارے اوپر ہیں۔ ان کے ساتھ نرمی کرنا اور مہربانی سے پیش آنا اور اللہ سے ڈر کر ان کے حقوق کا لحاظ کرنا۔ غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلانا اور جو خود پہنو وہی ان کو پہنانا۔ ان سے کوئی خطا ہو تو درگذر کرنا یا ان کو جدا کر دینا۔ وہ بھی اللہ ہی کے بندے ہیں۔ ان کے اوپر سختی روا نہ رکھنا۔ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر۔ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تمہارے کسی بھائی کی کوئی چیز تمہارے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک وہ رضامندی سے نہ بخش دے۔ دیکھو ناانصافی نہ کرنا۔ میں نے تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑی ہے جس کو اگر تم مضبوط پکڑو گے تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے۔ یاد رکھو وہ قرآن ہے۔

لوگو! عمل میں خلوص۔ مسلمان بھائیوں کی خیرخواہی اور جماعت میں اتحاد

یہ تین باتیں ایسی ہیں جو سینہ کو پاک رکھتی ہیں۔ تم کو لازم ہے کہ میرا یہ کلام ان لوگوں کو پہنچا دو جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ کیونکہ بہت لوگ روایتاً کلام کو سنکر ان سے زیادہ خیال رکھتے ہیں جو خود اپنے کانوں سے سنتے ہیں۔

اس الوداعی خطبہ کے بعد آپؐ نے لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم سے سوال کرے گا کہ میں نے تم کو اس کے احکام کی تبلیغ کی یا نہیں۔ تم لوگ اس کا کیا جواب دو گے؟ سب نے یک زبان ہوکر بلند آواز سے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ گواہ ہیں کہ آپ نے اللہ کے احکام ہم تک پہنچائے اور رسالت کا فرض ادا کردیا۔

یہ سنکر آپؐ نے آسمان کی طرف اپنے ہاتھ اٹھائے اور تین بار کہا کہ اے اللہ تو شاہد رہ!

ختم قرآن

اسی روز یعنی حجۃ الوداع کے خاتمہ پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۝

آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کیا۔

اس دن سے احکامِ قرآنی کے نزول کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اور اس کی تمام آیتیں اور سورتیں مرتب ہوچکی تھیں اور بہت سے صحابہ پورے قرآن کے حافظ تھے۔

دعوتِ اسلام اور اُسکے نتائج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت مکہ سے ہجرت فرمائی اس وقت تک قریش اور ان کے حلیف قبائل میں سے ایک مختصر جماعت نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ دیگر قبائل عرب کے صرف چند افراد اسلام لائے تھے۔

ہجرت کے بعد مدینہ کے باشندے زیادہ تعداد میں مسلمان ہوئے ان کو انصار کا لقب ملا۔ یہاں کے لوگوں میں اسلام کا عشق اور اس کی طرف ایسا رجحان تھا کہ سب کے سب مسلمان ہو جاتے۔ لیکن ایک رکاوٹ آپڑی کہ ان میں سے بعض اہلِ اثر یا تو اسلام کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے یا اپنی سرداری کے زوال کا ان کو خوف ہوا۔ اس وجہ سے وہ اسلام سے دشمنی کرنے لگے۔ ان کے ساتھ اور بھی ان کے ہم خیال ہو گئے۔ گو مسلمانوں کے غلبہ کی وجہ سے ظاہراً وہ مسلمان ہو گئے تھے لیکن درپردہ مخالفت کرتے تھے۔ انہیں لوگوں کو قرآن نے منافق کہا۔ آنحضرتؐ ان کے ساتھ نہایت مہربانی اور نرمی کا برتاؤ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن اُبی جو منافقوں کا سرغنہ تھا۔ باوجود صحابہ کی مخالفت کے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ کفن کے

لئے اپنا پیراہن مبارک بخشا۔ اور خود اس کی قبر میں اترے۔ حالانکہ یہ شخص اسلام پر مسلمانوں پر اور خود آنحضرتؐ کی ذات پر بہت سی مصیبتوں اور تکلیفوں کا باعث ہوا تھا۔ لیکن رحمتِ عالم لوگوں کی تالیفِ قلب کا بہت خیال رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی صورت سے ان کا باطن بھی ظاہر کے مطابق ہو جائے کیونکہ اس سے اسلام کو بہت کچھ تقویت پہنچنے کی امید تھی۔

مدینے کے یہودیوں سے عبداللہ بن سلام اور چند دیگر افراد اسلام لائے۔

آنحضرتؐ عرب کے قبائل کو اسلام کی طرف بلاتے تھے۔ ان کے پاس قاصد اور خطوط بھیجتے تھے لیکن قریش کے مغلوب ہونے سے پیشتر تک کوئی بڑا نتیجہ ظاہر نہیں ہوا۔

اہلِ عرب کے توقف کی بڑی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہلِ اسلام اور قریش میں جو لڑائیاں ہوتی تھیں وہ فیصلہ کن نہ تھیں۔ بدر میں اگر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو اُحد میں قریش غالب رہے۔ نیز خندق کی لڑائی سے عربوں نے یہ سمجھا کہ مسلمان قریش سے دوبدو مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ اس وجہ سے اشاعت اسلام میں رکاوٹ پڑ گئی تھی اور اس کی رفتار بہت سُست تھی۔

صلح حدیبیہ کے بعد امن وامان ہو گیا اور کفار کو مسلمانوں کے ساتھ میل جول اور تبادلۂ خیالات کا موقع ملا۔ جب قرآن کی آیات اور آنحضرت صلعم کی

تعلیمات سُنیں تو عام طور پر ان کا رجحان اسلام کی طرف ہو گیا۔ لیکن پھر بھی وہ قریش کے معاملہ کے منتظر تھے۔

۸ھ میں جب مسلمانوں نے مکہ کو فتح کر لیا تو تمام اہل عرب کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کو یقین ہو گیا کہ اسلام کے ساتھ غیبی امداد اور آسمانی قوت شامل ہے ورنہ بیت اللہ پر ان کا فتحیاب ہونا ناممکن تھا۔ اسی کے ساتھ تقریباً جملہ اہل قریش جن کی مذہبی سیادت سارے عرب میں مسلم تھی اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ دیکھ کر تمام عرب نے اس دین کی طرف قدم بڑھایا۔ اپنے اپنے قبیلوں سے وفود بھیجے۔ اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں ۹ھ عام الوفود کہا جاتا ہے۔

وفود

جب آپؐ مکہ سے واپس تشریف لائے تو بنی ثقیف نے اپنا وفد آپؐ کی خدمت میں بھیجا۔ اس کے سرگروہ عبد یالیل بن عامر تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کے لئے مسجد نبویؐ کے متصل خیمہ نصب کرایا۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ لیکن یہ درخواست کی کہ نماز ہمارے ملئے معاف کر دی جائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس دین میں کوئی خوبی نہیں جو بلا نماز کے ہو۔

انھوں نے اپنے یہاں کے بتوں کو بھی خود اپنے ہاتھوں سے توڑنے سے معافی چاہی۔ آپؐ نے اس کو منظور فرما لیا اور ابو سفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو حکم دیا کہ جا کر ان کے یہاں کے طاغوت لات کو توڑ ڈالیں۔

اسی قبیلہ میں سے عثمان بن ابی العاص کو اس کا امیر مقرر کیا جو اگرچہ کمسن تھے لیکن قرآن اور اصولِ اسلام سے باخبر تھے۔ جلتے وقت ان کو ہدایت کی کہ نماز کے معاملے میں سختی نہ کرنا۔ ان میں بہت سے کمزور، مفلس، بچے اور بڈھے ہونگے ان کا لحاظ رکھنا۔ یہ قبیلہ یعنی بنی ثقیف اسلام میں نہایت صادق اور پختہ ثابت ہوا۔

بنی تمیم میں سے ان کے رؤسا عطارد بن حاجب، اُقرع بن حابس اور زبرقان بن بدر وغیرہ آئے۔ مسجد نبوی میں پہنچکر حجرہ کے پیچھے سے آنحضرتؐ کا نام لے کر بلند آواز سے پکارنا شروع کیا۔ اسی کے اوپر سورۂ حجرات کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں جن میں ممانعت کی گئی ہے کہ نبی کو اس طرح نہ پکارو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو ورنہ تمہارے عمل اکارت ہو جائیں گے۔

آنحضرتؐ جب تشریف لائے تو بنی تمیم کے خطیب نے اپنی قوم کے مفاخر کا خطبہ سنایا اور ان کے شاعر نے اشعار پڑھے۔ ادھر سے حضرت قیس بن شماس نے تقریر کی اور حضرت حسان بن ثابت نے ان کے قصیدے کے جواب میں قصیدہ سنایا اس کے بعد وہ لوگ مسلمان ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انعامات عطا فرمائے۔

بنی سعد بن بکر کا جو وفد آیا اس میں ایک شخص ضمام بن ثعلبہ تھے۔ ان کے بدن پر کثرت سے بال تھے اور طبیعت کرخت واقع ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ

کے پاس صحابہ کا مجمع تھا۔ آنے کے ساتھ ہی پوچھا کہ تم میں سے ابن عبدالمطلب کون ہے؟ آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ میں۔ کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)؟ حضورؐ بولے ہاں! کہا کہ میں آپ سے چند سوال کرتا ہوں۔ گراں گذریں تو مجھ پر خفا نہ ہوں۔ فرمایا کہ نہیں جو کچھ پوچھنا ہے بے تامل پوچھو۔ انھوں نے کہا کہ میں اللہ کی قسم دلاکر جو گذشتہ موجودہ اور آئندہ نسلوں کا معبود ہے۔ پوچھتا ہوں کہ کیا اس نے آپ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟ فرمایا کہ ہاں بے شک۔ پھر کہا کہ میں اسی اللہ کی قسم دلا کر کہتا ہوں کہ کیا اس نے حکم دیا ہے کہ ہم پانچ وقت کی نماز پڑھیں؟ فرمایا کہ ہاں بے شک! ضمام نے اسی طرح حج، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ ہر ایک عبادت کے متعلق سوال کیا اور آپؐ سے سب سوالوں کا جواب پاکر آخر میں مسلمان ہوئے۔ اور کہا کہ میں ان فرائض کو بلا کمی بیشی کے ادا کرتا رہوں گا اور جو منہیات ہیں ان سے بچوں گا۔ اس کے بعد واپس گئے۔ ان کے قبیلے کے سب لوگ بلا استثنا اسی روز مسلمان ہوگئے۔

قبیلہ ربیعہ بن عبدالقیس میں سے جارود بن بشر جو نصرانی تھے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور بڑے سچے مسلمان ہوئے۔

قحطان میں سے زید الخیل وفد کے سرغنہ ہو کر آئے۔ انہیں زید کے بارے میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جتنے لوگوں کی میں نے تعریفیں سنیں ان کو جب دیکھا تو اس سے کم پایا۔ لیکن زید کی جس قدر مدح سنی تھی اس سے ان کو زیادہ دیکھا ان کا نام بدل کر زید الخیر کر دیا اور مقام فید اور اس کے آس پاس کی

کچھ زمینیں بھی عطا فرمائیں۔

قبیلہ طے میں سے حاتم کے بیٹے عدی آکر مسلمان ہوئے۔ یہ پہلے عیسائی تھے۔

قبائل زبید، کندہ اور مراد سے بھی وفود آئے۔ حمیری بادشاہ حارث بن عبد کلال اور ان کے بھائیوں نعیم اور نعمان نیز زرعہ ذویزن اور مالک بن مرہ نے قاصدوں کو بھیج کر اپنے اسلام لانے کی اطلاع دی۔ آنحضرتؐ نے ان کے جواب میں خطوط بھیجے جن میں زکوٰۃ کی ہدایت لکھی اور چند صحابہ کو روانہ کیا کہ جا کر ان کو دین کی تعلیم دیں۔

ملک شام کے مقام معان میں فروہ بن عمرو رومیوں کی طرف سے عامل تھے انھوں نے بھی خط کے ذریعہ سے آنحضرتؐ کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع بھیجی۔ رومیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں تو ان کو قید کر دیا۔ اور پھر قتل کر ڈالا۔ بنی حارث کا ایک وفد حضرت خالد بن ولید کے توسط سے آیا۔ یہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں بڑے بہادر مشہور تھے اور اکثر اپنے حریفوں پر غالب آجاتے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان سے پوچھا کہ کیا وجہ تھی کہ تم لوگ اپنے دشمنوں پر فتحیاب ہوا کرتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ ہم باہم متحد رہتے تھے اور اپنی طرف سے کبھی ظلم کی ابتدا نہیں کرتے تھے۔

الغرض اسی طرح سلسلہ وار قبائل کے رؤسا و شرفا آ آکر مسلمان ہوئے۔ اور بیشتر اہلِ عرب نے دینِ اسلام قبول کر لیا۔

لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ ان سب لوگوں میں اسلام راسخ ہو گیا تھا۔ کیونکہ ان میں بہت سے بادیہ نشین تھے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ان کی جاہلیت کی عادتیں ان میں باقی تھیں اور اسلامی تہذیب ان کو مکمل طور پر ابھی تک شائستہ نہیں بنا چکی تھی۔ چنانچہ قرآن کی سب سے آخری سورۃ جو نازل ہوئی اس میں بعض بادیہ نشینوں کی جہالت کا ذکر موجود ہے۔ اسی کے ساتھ بعض کی مدح بھی ہے۔

شہری باشندوں مثلاً مکہ، مدینہ، طائف، یمن اور بحرین کے لوگوں میں بے شک اسلام کا اثر بہت صادق تھا۔ چنانچہ انھیں میں سے بڑے بڑے صحابہ اور رؤسا اسلام لائے۔

مُراسلات

آنحضرتؐ کی رسالت چونکہ عرب ہی تک محدود نہ تھی بلکہ آپ تمام بنی نوع انسان کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس لئے جہاں تک امکان میں تھا بیرونِ عرب کے ملوک اور امراء کے پاس بھی دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے اور سفارت کے لئے صحابہ میں سے ان لوگوں کو منتخب فرمایا جن ان بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے درباروں سے واقفیت تھی۔

حضرت دحیہ کلبی کو قیصر روم ہرقل کے پاس خط دیکر بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔

تم اسلام لاؤ محفوظ رہو گے اور اللہ تعالیٰ تم کو دُگنا اجر دے گا۔ ورنہ تمہاری رعایا کا گناہ بھی تمہارے ذمہ پڑے گا۔

اس زمانہ میں قیصر نے ایرانیوں پر فتح پائی تھی اور صلیب مقدس اس کو واپس ملی تھی۔ وہ اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ملک شام میں آیا ہوا تھا۔ شہر حمص سے بیت المقدس تک پیدل گیا۔ راستہ بھر میں فرش پر پھول بچھائے گئے تھے۔

حضرت دحیہ رسول کا خط لے کر وہیں پہنچے اس نے ترجمہ کراکے سنا خود تو وہ اپنے دل میں اسلام کی حقانیت کو سمجھ گیا لیکن جب اپنے علماء اور مذہبی پیشواؤں کو جمع کرکے مشورہ کیا تو ان لوگوں نے مخالفت کی اس وجہ سے اسلام نہ لاسکا۔

شجاع بن وہب آنحضرت کا خط منذر بن حارث غسانی کے پاس جو شام میں تھے لے کر گئے۔ وہ اپنی قوت کے گھمنڈ میں اسلام نہیں لایا اور کہا کہ مجھ سے کون میرا ملک چھین سکتا ہے۔

عمرو بن امیہ نجاشی کے پاس بھیجے گئے۔ انھوں نے جواب میں اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی۔ چنانچہ جس دن ان کا انتقال ہوا آنحضرت نے الہام کے ذریعہ اس کی اطلاع پاکر لوگوں کو خبر دی۔ اور مدینہ میں ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔

عبداللہ بن حذافہ کو ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے دربار میں بھیجا۔ اس نے خط کے عنوان پر آنحضرت کا نام لکھا ہوا دیکھ کر غصہ سے اس کو چاک چاک کر ڈالا کیونکہ ایرانی دستور کے مطابق بادشاہوں کے خطوط میں کاتب کا نام نیچے ہونا چاہیئے تھا۔ آنحضرت کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ اس کی سلطنت کے پرزے پرزے

ہو جائیں گے۔

خسرو نے صرف خط کے پھاڑنے ہی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ غصہ میں آکر اپنے یمن کے عامل باذان کو لکھا کہ حجاز میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کو پکڑ کر میرے پاس بھیج دو۔ باذان نے دو آدمیوں کو مدینہ بھیجا۔ انھوں نے جاکر آنحضرتؐ کو دھمکی دی اور کہا کہ شہنشاہی حکم کے مطابق آپ کو ہمارے ہمراہ دربار میں چلنا ہوگا۔

یہ وہی دن تھا جس کی رات کو شیرویہ نے اپنے باپ خسرو پرویز کو قتل کر ڈالا تھا۔ آنحضرتؐ کو یہ خبر بذریعہ الہام کے معلوم ہوئی۔ ان دونوں سے کہا کہ تمہارا بادشاہ آج کی رات مارا گیا۔ انھوں نے کہا کہ دیکھئے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہم اس بات کو آپ کی ذمہ داری پر بادشاہ کو لکھتے ہیں۔ اس کے نتائج آپ کو برداشت کرنے ہوں گے۔ کیونکہ ہم جس قصور پر آپ کو لینے کے لئے آئے ہیں یہ اس سے بھی بڑھ کر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میری ذمہ داری پر تم اس خبر کو لکھ بھیجو اور اس کو یہ بھی اطلاع دے دو کہ میرے دین کا غلبہ وہاں تک پہنچے گا جہاں تک اس کی سلطنت ہے۔ بلکہ جہاں تک کہ کوئی اونٹ گھوڑا پہنچ سکتا ہے۔

ان دونوں فرستادوں نے یمن میں واپس آکر باذان کو ان باتوں کی اطلاع دی ادھر اسی زمانہ میں ایران سے مراسلہ پہنچا کہ خسرو پرویز فلاں تاریخ کو مارا گیا اور شیرویہ اس کی بجائے تخت نشین ہوا۔ شیرویہ نے باذان کو یہ بھی لکھا کہ میرے باپ نے حجاز کے

جس شخص کو طلب کیا تھا تاوقتیکہ میں کوئی حکم نہ دوں۔ اس سے تعرض نہ کرنا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ باذان اور اس کے ساتھ یمن میں جتنے ایرانی تھے سب مسلمان ہو گئے۔

حاطب بن ابی بلتعہ کو مصر کے والی مقوقس کے پاس بھیجا۔ وہ اسلام تو نہیں لایا۔ لیکن ایک خچر جس کا نام دلدل تھا اور دو لونڈیاں آنحضرتؐ کے لیے تحفۃً بھیجیں۔ ان میں سے ایک ماریہ قبطیہ تھیں۔ جن کے بطن سے آنحضرتؐ کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔

سلیط بن عمرو کو بنی حنیفہ کے سردار ہودہ بن علی کے یہاں علا بن حضرمیؓ کو فرماں روائے بحرین منذر بن ساوی کی طرف اور عمرو بن عاص کو سرداران بنی یزد کے پاس بھیجا۔ ان میں سے بعض اسلام لائے اور بعض اسلام پر غور و فکر کرنے لگے اور اکثر ملکوں میں اس دین کا چرچا پھیل گیا۔

تعلیماتِ مدینہ

مدینہ میں اکیس سورتیں نازل ہوئیں جو تقریباً ایک ثلث قرآن ہیں۔

مدنی آیتیں مکی آیتوں سے کئی حیثیتوں سے ممتاز ہیں۔ مکی آیات میں اقوام سابقہ کے قصص اور عبرت خیز واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن مدنی آیات میں بیشتر خود مسلمانوں کی لڑائیوں اور ان کے اسباب وغیرہ کا ذکر ہے نیز ان میں فرائض اور احکام زیادہ ہیں جو مکی آیات میں کم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکی آیتوں میں یا "بنی آدم" یا "ایھا الناس" یا "اہل الکتاب" کے الفاظ سے زیادہ خطاب فرمایا ہے اور مدنی آیتوں میں "یا ایھا الذین آمنوا" کہہ کر مخاطب فرمایا ہے۔

آیتِ قتال

مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد ہی آیتِ قتال نازل ہوئی اس ذیل میں تاریخی حیثیت سے ان اسباب کا بیان کردینا ضروری ہے جن کی بنیاد پر جنگ کی اجازت دی گئی۔

خود قرآن مجید میں کئی جگہ تصریح کے ساتھ ان کا ذکر ہے۔ ان سب پر

غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دراصل ان کا مرجع دو باتیں ہیں۔

(۱) غیروں کی دست درازی سے اپنی حفاظت کے لئے لڑنا۔

(۲) اشاعتِ اسلام میں جو رکاوٹیں ڈالی جائیں ان کی مدافعت کرنا۔ مثلاً کوئی قوم مسلمانوں کو اس غرض سے ستائے کہ وہ اپنے دین کو چھوڑ دیں یا کسی کو مسلمان ہونے سے جبراً روکے یا تبلیغ اسلام میں مخلل انداز ہو تو اس سے لڑنے کی اجازت ہے۔

پہلی آیت جو اس کے متعلق نازل ہوئی یہ ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۨالَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ط

جن مسلمانوں سے کافر لڑے ان کو اب کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے اس لئے کہ ان پر ظلم ہوا۔ بیشک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ بے چارے صرف اتنی بات کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے۔

اس آیت میں جنگ کی اجازت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ بھی بیان کر دی کہ اہلِ مکہ نے مسلمانوں پر صرف اس وجہ سے ظلم کیا اور ان کو ان کے گھروں سے نکالا کہ وہ اکیلے اللہ پر ایمان لائے تھے۔ اور چونکہ یہ کوئی جرم نہیں ہے اس لئے

انھوں نے سراسر ناحق ظلم کیا۔ لہٰذا مسلمانوں کو بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے اور ہم ان کی مدد کریں گے۔

سورہ لبقر میں فرمایا۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ ط

تم ان کے ساتھ وہاں تک لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دینِ خالص اللہ کے لئے رہ جائے۔

فتنہ کے معنی لغت میں سونے یا چاندی کو گلا کر کھرا کھوٹا الگ کرنے کے ہیں لیکن زبان شرع میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو امتحان اور آزمائش میں ڈالنا اور اس نیت سے ستانا کہ وہ اپنے کو دین چھوڑ دے۔ جنگ کی غرض اور غایت اللہ تعالیٰ نے یہی قرار دی کہ تم وہاں تک لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دینِ خالص اللہ کے لئے ہو۔ یعنی دین کے معاملہ میں کوئی کسی پر جبر نہ کر سکے۔ اور انسان کو آزادی حاصل ہو۔ کہ وہ بلا جبر و اکراہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے دین اختیار کرے۔

یہ بھی ظاہر کر دیا کہ فتنہ یعنی کسی کے عقیدے اور ایمان پر زبردستی کرنا اور انسان کے ذریعہ نجات تلاش کرنے کی حریت کو غصب کرنا سخت ترین ظلم ہے یہاں تک کہ قتل اور خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔ لہٰذا جو کافر ایسا کریں ان سے لڑو۔

اگر کفار مسلمانوں کے راستہ میں حائل نہ ہوں اور لڑائی نہ کریں تو پھر ان کے

ساتھ مسلمانوں کو بھی لڑنے کی کوئی وجہ نہیں۔

سورہ انفال میں ہے۔

فَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا

اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی جھک جا

کیونکہ اصلی غرض دعوتِ اسلام کی حفاظت ہے جو صلح سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لئے جب کافر قوم مسلمانوں سے صلح کرنے کی خواہاں ہو تو اس حکم الٰہی کے مطابق مسلمان اس کے قبول کرنے کے لئے مامور ہیں۔

جو کافر مسلمانوں سے دین کے بارے میں نہ لڑیں اور مصالحت کے ساتھ رہیں۔ ان کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا بھی منع نہیں ہے۔

سورہ ممتحنہ میں فرمایا۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ

جو لوگ تم میں سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور انھوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ان کے ساتھ احسان اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع نہیں کرتا۔

آنحضرتؐ ہجرت کرکے جب مدینہ تشریف لائے تو یہاں دو مخالف گروہ تھے ایک منافق جو بظاہر مسلمان لیکن در پردہ دشمن تھے۔ دوسرے یہود۔ آنحضرتؐ نے

یہود کے ساتھ عہدنامہ کیا۔ لیکن جنگِ احزاب میں انھوں نے عہد شکنی کی۔ اور قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آئے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے صبر و ثبات میں سخت زلزلہ پڑ گیا۔ جب وہ مصیبت کی گھٹا اٹھ گئی تو ان کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا گیا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ؁

ان اہل کتاب سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ روز آخرت پر۔ اور نہ اللہ اور نہ اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں نہ دین حق کو ملنتے ہیں۔ لڑو۔ یہاں تک کہ وہ خوار ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں۔

ان تمام آیات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام صلح اور امن کی اصلی رُوح لے کر آیا ہے۔ وہ لڑائی کی اسی وقت اجازت دیتا ہے، جب مسلمانوں کے اوپر ناحق ظلم اور سختی کی جائے یا اشاعتِ اسلام میں رکاوٹ ڈالی جائے۔

قرآن چونکہ کل دنیا کے آدمیوں کے لئے اتارا گیا ہے۔ اس لئے اس نے اس

مرکز کو معین کردیا جس پر عالم کے امن کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ یعنی اس نے بنی نوع انسان کی ہر قسم کی خود غرضی کو مٹا کر جو مخالفتوں کی جڑ ہے اس کے تمام افعال ارادیہ کا مقصد صرف رضائے الٰہی کو قرار دیا۔

سورۂ انعام میں ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔

کہہ دے کہ میری قربانی۔ میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

یہی وہ نقطہ ہے جس پر تمام دنیا کے تمام انسان آکر متحد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ جب سب کی غرض ایک ہو گی تو باہم نزاع نہیں ہو سکتی۔

عہد و پیمان

اسی ذیل میں عہد و پیمان کا ذکر بھی ضروری ہے۔ قرآن نے جابجا وفائے عہد کی تاکید کی ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ

مسلمانو! اپنے اقراروں کو پورا کرو۔

سورۂ اسراء میں ہے۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَھْدِ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا۔

اور عہد کو پورا کیا کرو کیونکہ اس کی بازپرس ہو گی۔

سورہ نساء میں مخفی ریشہ دوانی کرنے والے بدخواہوں اور منافقوں کے بارے
میں حکم ہے کہ ان کو جہاں پاؤ قتل کرو، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ
مِّيْثَاقٌ ط

مگر وہ لوگ جو ایسی قوم میں جا ملیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان
میں معاہدہ ہو۔

یعنی اہل معاہدہ کے پاس اگر جانی دشمن بھی پناہ گیر ہو جائے تو اس کی حرمت
مسلمانوں کو کرنی پڑے گی اور قتل نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے معاہدہ کو جس قدر محترم رکھا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا
ہے کہ قرآن میں اس نے کسی مسلمان کے قتل خطا کا جو تاوان مقرر کیا ہے بعینہٖ وہی
تاوان اس کافر کا بھی رکھا ہے جو اس قوم کا ہو جس سے عہد نامہ ہو چکا ہو۔

سورہ انفال میں حکم دیا۔

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ
اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ۔

مسلمان اگر تم سے دین کے بارے میں مدد کے خواہاں ہوں تو تم کو ان
کی مدد کرنی لازم ہے۔ مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور اس میں
عہد و پیمان ہو۔

یعنی اسلامی اخوت اور ہمدردی سے بھی زیادہ عہد کا لحاظ رکھا گیا ہے۔
چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو آنحضرتؐ اور کفار قریش کے درمیان ہوئی
تھی اور جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ کا کوئی شخص اگر مسلمانوں کے پاس
آجائے گا تو واپس کردیا جائے گا ایک مسلمان قیدی ابوجندل کسی طرح مکہ سے
بھاگ کر آنحضرتؐ کے پاس آگئے۔ کافروں نے ان کو بہت مارا تھا۔ انھوں نے
اپنے زخم دکھلائے اور فریاد کی کہ مجھے اپنے ساتھ مدینہ لے چلیے۔ آنحضرتؐ نے ان
کے باپ سہیل کو بہت سمجھایا کہ ان کو ساتھ کردو۔ لیکن وہ راضی نہ ہوئے مجبوراً پابندی
عہد کی وجہ سے ان کو واپس کرنا پڑا۔ اور مسلمانوں کے دل تڑپتے رہ گئے۔

اسیرانِ جنگ لڑائی میں جو دشمن گرفتار ہوں ان کے بارے میں تصریح کے
ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً

یہاں تک کہ جب تم ان کا زور توڑ چکو تو ان کو باندھو پھر یا تو احسان رکھ
کر یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔

اس کے سوا ان کے متعلق کوئی دوسرا حکم قرآن میں نہیں ہے۔

غلامی جس وقت قرآن نازل ہوا تھا اس وقت عربوں کی ملکیت میں
غلام اور کنیزیں دونوں تھے۔ قرآن نے ان کو اپنی اصلی حالت پر
قائم رکھا۔ اور مملوکہ کنیز کو جس طرح ان کے مالک پہلے سے مباح سمجھتے چلے آتے تھے۔

اسی طرح مباح رکھا۔ لیکن ان کے آزاد کرنے کی بہت ترغیب دلائی اور تین صورتیں خاص طور پر اس کے لئے آئیں۔

(۱) سورۂ بلد میں انسان کی شکرگزاری کے واجبات میں سب سے مقدم اسی کو رکھا۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ

کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور بھلائی اور برائی کے راستے اس کو نہیں دکھلائے۔ پھر بھی وہ ان کے شکریہ میں گھاٹی میں ہو کر نہ نکلا اور تمہیں معلوم ہے کہ وہ گھاٹی کیا ہے۔ گردن کو غلامی سے آزاد کرنا۔

(۲) زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک مصرف خاص اس کے لئے مقرر فرمایا یعنی زکوٰۃ کی آمدنی میں سے مال کا ایک حصہ اس غرض کے لئے مخصوص کرایا جائے کہ اس سے غلام آزاد کرائے جائیں۔

(۳) اسی کو بعض بعض گناہوں کا کفارہ قرار دیا۔ مثلاً قتل خطا۔ ظہار۔ اور یمین۔ تینوں میں قرآن نے بردہ آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم تحریر رقبہ کے فضائل بیان فرما کر اور عملی طور پر اس کی مثالیں پیش کر کے امت کو بار بار اس کی ترغیب دلاتے رہے۔

عبادات

(۱) نماز مکہ ہی میں شروع ہو چکی تھی۔ مدنی آیات نے اس کی کوئی مزید تفصیل نہیں دی۔ صرف نماز جمعہ کا ذکر سورۂ جمعہ میں اور نمازِ خوف کا بیان سورۂ نسا میں نازل ہوا۔ البتہ اس کی پابندی اور نگہداشت کی تاکیدیں متعدد آیتوں میں کی گئیں۔

سلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے اذان کا دستور مقرر فرمایا۔

(۱) مدینہ میں بھی نماز بیت المقدس کے رُخ پڑھی جاتی تھی جو یہود و نصاریٰ کا قبلہ تھا۔ آنحضرتؐ قبلۂ ابراہیمی کے آرزومند تھے۔ ہجرت کے سترہ ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی خواہش کے مطابق کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ کر دیا۔ اور اس کے متعلق تاکیدی احکام نازل فرمائے کہ اسی کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھا کرو۔

(۲) روزہ مدینہ میں سنہ۲ھ میں فرض ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ماہ رمضان کو جس میں قرآن نازل ہوا ہے مخصوص کر دیا۔

(۳) زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی۔ اس کے مصارف سورۂ توبہ میں بیان کر دیے گئے۔ آنحضرتؐ نے سنہ۹ھ میں اس کی تحصیل کے لئے عمّال مقرر کئے اور ایک مکتوب میں اس کی تفصیل لکھوا دی۔

(۴) حج کی کسی قدر تاریخ اور اس کے اغراض سورۂ حج میں بیان کئے گئے۔ سنہ۳ھ میں سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے خانۂ کعبہ کی اولیت اور افضلیت بیان کر کے حج کو فرض کر دیا۔

نظامِ اجتماعی

اجتماعی معاملات میں سب سے پہلے زکوٰۃ اور حج آتے ہیں لیکن چونکہ فقہاان کی تفصیل کو اپنا حصہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہم بھی ان کے حدودِ عمل میں قدم رکھنا پسند نہیں کرتے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کی غرض یہ ہے کہ اغنیار کی دولت سے فقرار کو مدد پہنچے۔ اور یہ ایک تمدنی مسئلہ ہے۔ اسی طرح حج کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے ہر حصے کے اہل اسلام میدانِ عرفات میں جمع ہوں اللہ کے نام کی بڑائی کریں اور باہمی تعارف، تبادلہ خیالات اور ایک دوسرے کی امداد کے ذرائع سوچیں۔ یہ بھی ایک اجتماعی امر ہے۔ بہرحال ہم ان کو چھوڑ کر دیگر امور کو مختصراً لکھتے ہیں۔

اخوت اور مساوات

قرآن نے کل مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا اور ان تمام رکاوٹوں اور بندشوں کو جو بنی نوع انسان نے نسبی شرافت کی بنیاد پر باہمی مساوات میں ڈال رکھی تھیں اٹھادیا۔ سورۂ حجرات میں ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ ط

مسلمان تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں

ہر قسم کے نسبی فخر اور خاندانی شرافت کے دعوے کو مٹا کر بزرگی کا ذریعہ صرف تقویٰ کو قرار دیا۔ چنانچہ اس کے آگے ہے۔

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا

وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تمہارے قبیلے اور کنبے بنا دیئے۔ تاکہ آپس میں پہچان رکھو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم میں سب سے زیادہ بزرگ اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

یعنی قبیلہ اور خاندان محض پہچاننے کے لئے ہیں۔ فضیلت کا مدار تقویٰ پر ہے۔

فتح مکہ کے خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَافَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنَ التُّرَابِ۔

نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر۔ سارے آدمی آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

احترام حقوق قرآن نے تمام مسلمانوں کے حقوق برابر کر دیئے اور ایک کی جان و مال و آبرو دوسرے پر حرام فرمائی۔ سورہ نسا میں ہے۔

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً ط

کسی مسلمان کو روا نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر بھول چوک سے۔

اس کے بعد قتلِ عمد کی وعید ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَ
غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔ ط

جو کوئی قصداً کسی مومن کو قتل کرے گا اس کا بدلہ جہنم ہے۔ وہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔ اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا۔ اور اس کی لعنت ہوگی۔ اس کے لئے اللہ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

سورہ حجرات میں ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ
يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ
خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ط
بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ط وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ط يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ
اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط
اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا ط

اے مومنو! کوئی قوم کسی قوم پر نہ ہنسے ممکن ہے کہ وہی اس سے اللہ کے نزدیک بہتر ہو۔ اور نہ عورتیں عورتوں پر۔ ممکن ہے کہ وہی بہتر ہوں آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو نہ بُرے القاب سے پکارو۔ ایمان

لانے کے بعد بد تہذیبی کا نام برا ہے اور جو اس سے باز نہ آئیں گے وہ ظالم ہیں اے مومنو! اکثر گمان سے پرہیز کرو۔ کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔ جاسوسی میں نہ پڑو۔ نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔

فریضۂ ملیہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مددگار اور پشت پناہ بنایا اور ان کا فرض یہ قرار دیا کہ تمام اقوام عالم میں اعلائے کلمۂ حق ادا کریں۔ نیکی پھیلائیں اور برائی کو مٹائیں۔ اسی بنا پر ان کو خیر الامت کا لقب دیا اور فرمایا:

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ط

تم بہترین امت ہو جو انسانوں کی رہنمائی کے لیے بنائی گئی۔ تم اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

دنیا میں ان کے لئے وعدہ فرمایا۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ ط

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے۔ ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ

وہ ان کو زمین کی بادشاہت عطا کرے گا۔

اور آخرت کے لئے یہ وعدہ فرمایا۔

وَعَدَ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ

مسلمان مرد اور عورتوں سے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے جس کے نیچے نہریں
جاری ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جو لوگ اس فرض کو ادا نہ کریں ان کو عذاب کا مستوجب قرار دیا۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ
وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ
كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ
اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ؕ

کہہ دے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور کنبہ والے اور
وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے
ہو۔ اور وہ گھر جو تم کو پسند ہیں اللہ اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ
سے تم کو بڑھ کر عزیز ہیں تو ٹھہرو کہ اللہ کا حکم آئے اور اللہ فاسقوں کو
ہدایت نہیں کرتا۔

معاشرت خانگی

نظامِ خانگی کی اصل بنیاد میاں بیوی کے خوشگوار تعلقات پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عقدِ نکاح کو میثاقِ مستحکم فرمایا ہے اور اپنے اس احسان کا اظہار کیا ہے کہ ہم نے زوجین میں باہم مہر و الفت پیدا کی اور مردوں کو عورتوں کا اور عورتوں کو مردوں کا لباس بنایا۔ یعنی دونوں ایکدوسرے کے پردۂ عصمت کے محافظ ہیں۔

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ سورۂ نساء میں ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کردیا۔ نیز سورۂ بقر میں مشرکوں سے اور سورۂ نور میں زناکاروں کے ساتھ خواہ مرد ہوں یا عورت نکاح کی ممانعت کی۔ سورۂ مائدہ میں مسلمان مردوں کے لئے کتابیہ عورت کے ساتھ نکاح مباح کردیا۔ نیز ان کو ایک ساتھ چار بیبیوں تک کی اجازت دی بشرطیکہ ان میں عدل کرسکیں اور اگر خوف ہو کہ نہیں کرسکیں گے تو ایک ہی پر اکتفا کریں۔

مرد کے اوپر عورت کے لئے مہر بھی فرض کیا اور اس کے لئے کوئی خاص حد متعین نہیں ہوئی۔ گھر کا سردار اگرچہ مرد کو قرار دیا۔ لیکن حقوق میاں بیوی کے مساوی رکھے۔ مرد کو عورتوں کے ساتھ نرمی اور مہربانی کرنے کا برتاؤ کرنے کی تاکید فرمائی۔

زوجین کے اختلاف طبائع کی صورت میں عقدِ نکاح کو قائم رکھنے کے لئے جتنی تدبیریں ممکن، وہ قرآن میں بتلائیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ شوہر کا دل بیوی کو ناپسند کرتا ہو۔ اس کی بابت فرمایا کہ۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ

اور بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے رہو۔ اگر تم ان کو ناپسند کرو تو کچھ بعید نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو۔ اور اللہ تعالیٰ اسی میں خیر و برکت دیدے۔

اگر بیوی نافرمانی کرے تو اس کے بارے میں مرد کو حکم دیا۔

وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ

تم کو جن بیویوں سے نافرمانی کا اندیشہ ہو ان کو سمجھاؤ۔ ان کے ساتھ ہمبستری ترک کردو۔ اور ان کو مارو اگر وہ مان جائیں تو ان پر زیادتی نہ کرو۔

اگر شوہر کے بس سے معاملہ آگے بڑھ گیا ہو اور دونوں کو باہم نزاع پڑ گئی ہو۔ تو اس کے رفع کرنے کی یہ صورت بتائی۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ

اگر تم کو باہمی مخالفت کا ڈر ہو تو ایک پنچ شوہر کے کنبہ کا اور ایک پنچ بیوی کے کنبہ کا مقرر کرو۔ اگر وہ اصلاح کا ارادہ کریں تو اللہ دونوں میں موافقت کردے گا۔

اگر معاملہ پنچوں کے بھی قابو سے باہر نکل گیا تو اس وقت زندگی کو تلخی سے بچانے کے لئے مجبوراً جدائی کا اختیار دیا۔

وَاِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ

اگر دونوں جدا ہو جائیں گے تو اللہ دونوں کو اپنے خزانۂ غیب سے بے نیاز کر دے گا۔

مفارقت کے لئے بھی دو شاہد عادل ہونے چاہئیں۔

وَّاَشۡهِدُوۡا ذَوَىۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ

اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ بنا لو۔

زوجین کی مفارقت کے لئے بھی قرآن نے ایک خاص نظام مقرر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ طلاق کے بعد ایک مدت معینہ تک جس کو عدت کہتے ہیں۔ بیوی کو شوہر ہی کے گھر میں رہنا پڑتا ہے۔ اس مدت میں بھی اگر مصالحت ہو جائے تو شوہر کو رجعت کرنے کا حق حاصل ہے۔ نیز عدت گزر جانے کے بعد بھی اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ اس نکاح ثانی کے بعد اگر دوبارہ نزاع پیدا ہو گئی اور معاملہ طلاق تک پہنچ گیا تو پھر بھی عدت میں رجعت اور بعد عدت کے نکاح کا حق حاصل رہتا ہے۔

لیکن جب تیسری بار طلاق تک نوبت پہنچ گئی تو معلوم ہو گیا کہ طبیعتوں میں باہمی نفرت اس قدر ہے کہ ایک ساتھ معاشرت ناممکن ہے۔

اس لئے تیسری بار طلاق بائنہ ہو جاتی ہے جس کے بعد نہ عدت میں رجعت

کا اختیار رہتا ہے۔ نہ بعد عدت کے نکاح کا۔ تاوقتیکہ وہ کسی دوسرے مرد سے شادی نہ کرلے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی تاکید ہے کہ بیوی کو جو کچھ تم نے دیا تھا۔ طلاق کے بعد اس کو واپس نہ لو۔ بلکہ اپنے پاس سے کچھ اور ساز و سامان دے کر اس کو رخصت کرو۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ ط حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ط

اور جن عورتوں کو طلاق دی جائے۔ دستور کے موافق ان کو سامان دینا چاہیئے پرہیزگاروں پر یہ ایک حق ہے۔

الغرض معاشرت زوجین کے متعلق کوئی دقیقہ اہتمام کا کتاب اللہ نے اُٹھا نہیں رکھا۔

وراثت

وراثت کا ایک مکمل اور مفصل نظام سورۂ نساء میں نازل فرمایا۔ عرب میں عورتیں ترکہ نہیں پاتی تھیں۔ ان کو بھی میراث میں حقوق دیئے۔ اور بیشتر حالتوں میں مردوں میں سے نصف حصہ ان کا رکھا۔

اسی سورہ میں نابالغ یتیموں کی پرورش اور ان کے مال کے انتظام کے متعلق آیتیں نازل فرمائیں اور وہ مدت بھی متعین کی جس وقت ان کی ملکیت ان کے ہاتھ میں سپرد کی جائے۔

معاملات

اللہ تعالیٰ نے معاملات کے بنیادی اصول جابجا قرآن میں بیان کئے۔ (۱) پابندی قول و عہد۔ ہر ایک قسم کے دینی اور دنیاوی کاموں میں

اس کا حکم علم دیا۔

(۲) باہمی رضامندی سے جو تجارت ہو اس کا نفع حلال فرمایا۔ اور لوگوں کے مال کو ناجائز طریق سے خورد برُد کرنے کی ممانعت کی۔

(۳) سورۂ بقر میں سود کو نہایت سختی کے ساتھ ممنوع کیا اور سود خواروں کی مثال سخت ترین الفاظ میں بیان کی۔

(۴) قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت میں جو سورۂ بقر کے آخر میں ہے معاملہ کی صورت سکھائی اور تاکیدی حکم دیا کہ قرض خواہ کم ہو یا زیادہ لکھ لیا جایا کرے۔ اس پر شہادت بھی ہو۔ ہاں دست بدست خرید و فروخت میں لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عدم کتابت کی صورت میں رہن بھی بطور وثیقہ کے جائز رکھی۔

شہادت کے چھپانے کو گناہ قرار دیا۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ کاتب اور گواہ کو ضرر نہ پہنچایا جائے۔

آداب

(۱) سورۂ نور میں حکم دیا کہ جب تک تم اپنے گھر کے سوا کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونا چاہو تو پہلے اجازت طلب کرو۔ نیز تمہاری تنہائی کے اوقات میں غلام۔ کنیزیں اور بچے بھی بلا اجازت اندر نہ آئیں۔

(۲) عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی غیر ظاہری زینت کا اظہار ان لوگوں کے سامنے نہ کریں جو محرم نہ ہوں اور اپنی آرائش کو چادر کے نیچے چھپائے رکھیں۔

(۳) جو تم کو سلام کرے تم اس کو اسی طرح یا اس سے بہتر طریقہ سے جواب دو۔

قصاص زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ کسی مقتول کے بدلے میں قاتل کے قبیلے کے جس آدمی کو پا جاتے تھے قتل کر دیتے تھے۔ قرآن نے اس رسم کو مٹایا۔ اس نے بعینہٖ قاتل سے قصاص لینے کا حکم دیا۔ اور اس حد سے آگے بڑھنے کو روک دیا۔ نیز مقتول کے ولی کو معافی کے حق سے بھی محروم نہیں فرمایا۔

حدود تین خاص جرموں کی سزائیں متعین کر دیں۔ اور بقیہ دیگر جرائم کو حکومت کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دیا۔

(۱) چور کے لئے ہاتھ کاٹنا۔ اور باغی اور ڈاکوؤں کے لئے ہاتھ اور پاؤں دونوں۔ اور اگر ان کے جرائم زیادہ سنگین ہوں تو امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ قتل کر دے یا سولی پر چڑھا دے یا ملک سے نکال دے۔

(۲) زناکار کے لئے خواہ مرد ہو یا عورت سَو کوڑے۔ بشرطیکہ چار چشم دید گواہ ہوں۔

(۳) زنا کی تہمت لگانے والے کے لئے اسّی کوڑے۔

ہم نے ضمنی طور پر یہ تعلیمات قرآن سے اخذ کر کے لکھ دی ہیں۔ ورنہ تفصیل سے نظر ڈالی جائے تو کتاب اللہ زندگی کے ہر شعبہ میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔

صفات و اخلاقِ نبوی

باوجود سخت مخالفتوں اور زبردست رکاوٹوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوششوں کے کامیاب ہونے کا بڑا سبب دراصل آپؐ کا وہ جمالِ صورت اور کمالِ خلق تھا جو آج تک دنیا میں کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔ بہت سے لوگ صرف شکل دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے اور آپؐ کے دعوے کے صدق پر کسی دلیل کی حاجت نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ سے ابتدا میں جس وقت آپؐ نے غارِ حرا کے واقعہ کا ذکر فرمایا تو انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز خوار نہ کرے گا۔ اس لئے کہ آپ دوسروں کا بوجھ اٹھاتے، مسکینوں پر بخشش فرماتے اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ

اگر تم سخت مزاج اور سنگدل ہوتے تو لوگ تمہارے پاس سے الگ تھلگ ہو جاتے۔

ہم مختصراً آنحضرتؐ کے صفات اور اخلاق کا ذکر کرتے ہیں۔

نظافتِ جسم آپؐ صفائی اور پاکیزگی کا ہمیشہ خیال رکھتے اور عطریات کو بہت پسند کرتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ "دین کا مدار پاکیزگی پر ہے" آپؐ کی جسمانی پاکیزگی کا یہ عالم تھا کہ جس راستہ سے گذر جاتے وہ راستہ معطّر ہو جاتا اور جو شخص آپؐ سے مصافحہ کر لیتا اس کے ہاتھ دن بھر خوشبودار رہتے۔

حسن صورت قدرت نے ایسا عطا کیا تھا کہ بعض صحابہ بیان کرتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں نخلستان میں کام کرتے۔ جب ہم ماندہ ہو جاتے تو مسجد میں آکر دُور سے ایک نظر جمالِ مبارک پر ڈال لیتے اور پھر تازہ دم ہو جاتے۔

فصاحت و بلاغت تمام قبائلِ عرب کی زبانیں جانتے تھے۔ ہر قبیلے کے لوگوں سے انھیں کی زبان میں خطاب فرماتے تھے۔ جو فقرہ منہ سے نکلتا تھا وہ ایسا جامع اور پُرمغز ہوتا تھا کہ ملک بھر میں مشہور ہو جاتا تھا۔ بہت سے علماء نے آپؐ کے جوامع کلم یعنی اس قسم کے پُرمعانی جملے کتابوں میں جمع کئے ہیں۔

آپؐ کا یہ دعویٰ تھا کہ میں سب سے بڑھ کر فصیح ہوں اور اس دعوے کو سب لوگوں نے تسلیم کیا تھا۔ سحبان وائل اور قس بن ساعدہ وغیرہ جو عرب کے مشہور خطیب اور زبان آور مقرر گزرے ہیں ان کے سارے کارنامے آپؐ کی بلاغت

کے سامنے فنا ہو گئے۔

حلم

آنحضرتؐ کو عرش سے بار بار تاکید ہوتی رہتی تھی کہ تم اسی طرح صبر کرو جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے کیا۔ چنانچہ آپؐ کے پائے ثبات کو صبر کے میدان میں کبھی لغزش نہیں ہوئی۔ جو لوگ قرابت توڑتے آپؐ ان سے رشتے جوڑتے۔ جو دشمنی پر کمر باندھتے ان کے ساتھ احسان سے پیش آتے اور جو سختیاں کرتے ان سے درگزر کرتے تھے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے کبھی کسی سے اپنی ذات کے بلدے میں بدلہ نہیں لیا۔ ہاں! کوئی دین کی ہتک حرمت کرتا تو اس کو سزا دیتے۔

جنگ احد میں جب زخم لگا اور روئے مبارک سے خون بہنے لگا تو لوگوں نے کہا کہ ان کافروں پر نوحؑ علیہ السلام کی طرح بددعا فرمائیے۔ جواب دیا کہ میں لعنت کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اس کے بعد دعا کی کہ اے اللہ! میری قوم جانتی نہیں ہے اس کو ہدایت دے۔

منافقوں سے رات دن آزار اور تلخی سہتے تھے۔ لیکن کبھی انتقام کے درپے نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ ان کے ساتھ سلوک اور مہربانی سے پیش آئے۔ قریش نے کیا کچھ اذیتیں نہیں پہنچائی تھیں سب آپؐ نے برداشت کیں۔ اور جب ان پر قابو پایا تو یک قلم ان کو معافی عطا کر دی۔

آپؐ کو غصہ بہت دیر میں آتا تھا اور راضی جلد ہو جاتے تھے۔

کرم آپؐ کبھی کسی سائل کو محروم نہیں فرماتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے خاص کر ماہِ رمضان میں آپؐ کی سخاوت بہت بڑھ جاتی تھی۔ نبوت کے قبل ہی سے اس وصف میں ممتاز تھے۔ ایک بار ایک شخص کو اپنی بکریوں کا پورا گلہ بخش دیا۔ کئی آدمیوں کو سو سو اونٹ سے زیادہ دے دیئے۔ اور بعد نبوت کے تو مال کو اپنے گھر میں رکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ جو کچھ آتا تھا شام تک ختم کر دیتے تھے۔ ایک بار نوے ہزار درہم آئے۔ چٹائی پر رکھے گئے۔ جو سائل آتا اس کو عطا فرماتے۔ یہاں تک کہ سب ختم ہو گئے۔ پھر ایک شخص آیا۔ فرمایا کہ اب میرے پاس کچھ نہیں رہا۔ لیکن تم میرے نام سے قرض لے لو میں ادا کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مقدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔ آپؐ نے اس بات کو پسند نہیں کیا۔ اس پر ایک انصاری نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ خرچ کیجیے۔ اللہ کی مہربانی ہے تو کس چیز کی کمی ہے یہ سنکر خوش ہو گئے اور فرمایا کہ ہاں مجھے ایسا ہی حکم دیا گیا ہے۔

شجاعت آنحضرتؐ کی شجاعت مسلّم تھی۔ سخت لڑائیوں میں جہاں بڑے بڑے بہادر بھاگ نکلے آپؐ ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ شاہِ مرداں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب معرکہ سخت ہوتا تھا تو ہم لوگ آنحضرتؐ کے پیچھے جا کر پناہ لیتے تھے۔ دشمنوں سے زیادہ قریب آپؐ ہی ہوتے تھے۔

مدینہ میں ایک رات خوف چھایا ہوا تھا اور خیال تھا کہ غسانی بادشاہ

آگیا۔ لوگ گھبرا اٹھے۔ آنحضرتؐ نے خود جلدی میں گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہوکر شہر کا چکر لگایا اور آکر اطمینان دلایا کہ کوئی خطرہ نہیں۔

حیا

حضرت ابو سعیدؓ نے کہا کہ آپؐ کی حیا کا یہ عالم تھا کہ کسی سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں فرماتے تھے جو اس کو ناپسند ہو۔ اور جب کوئی امر خلاف مزاج ہوتا تو ہم لوگ چہرہ دیکھ کر سمجھ جاتے تھے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب کسی کی طرف سے کوئی ناپسندیدہ بات آپؐ تک پہنچتی تھی تو نام لے کر کچھ نہیں کہتے تھے بلکہ یوں فرماتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس قسم کی باتیں کرتے یا کہتے ہیں۔

کبھی کسی کی طرف تیز نگاہ سے نہیں دیکھا۔ آنکھیں ہمیشہ نیچی رکھتے تھے۔ اور جب ہنسی آتی تھی مسکراہٹ سے آگے نہیں بڑھتی تھی۔

حسنِ معاشرت

ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ آپؐ کا برتاؤ اس محبت کے ساتھ تھا کہ سب لوگ آپؐ کو اپنے شفیق باپ سے بڑھ کر سمجھتے تھے۔ جو شخص آپ کے پاس آتا اس کی تعظیم کرتے اور جب تک وہ اٹھنے کی خواہش نہ کرتا خود نہ گھبراتے۔ اکثر اپنا کمبل اور گدا اس کے لئے بچھا دیتے۔ جو ملتا سلام اور مصافحہ میں اس سے پیش دستی کرتے۔ اور جب کسی کو پکارتے تو اس کا وہ نام لیتے جو عزیز ترین ہوتا۔ کسی بات کو جب تک وہ ختم نہ کر لے نہیں کاٹتے تھے۔ نماز پڑھنے میں اگر کوئی اہلِ حاجت آتا تو اس کے خیال سے نماز کو ہلکی کر دیتے۔ نزولِ قرآن اور خطبہ کے

علاوہ تمام حالتوں میں بشاشں اور مسکراتے ہوئے رہتے۔ آپؐ کی محفل میں عیب جوئی یلبے جا مدح یا بد گوئی مطلق نہیں ہو سکتی تھی۔

ہر شخص کی عزت کا خیال رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ صحابہ میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ آپ مجھ سے زیادہ کسی کو نہیں چاہتے نہ کوئی شخص آپؐ کی ذات سے مایوس ہوتا تھا۔ ہدیہ دینے والوں کا ہدیہ قبول فرما لیتے۔ اور اس کے عوض میں خود بھی اس کو تحفے بھیجتے۔ لونڈی، غلام، مسکین اور محتاج تک کی دعوتیں منظور کر لیتے جب کوئی بیمار ہوتا تو اس کی عیادت کے لئے ضرور تشریف لے جاتے۔ جو کوئی کسی قسم کا احسان کرتا اس کا بدلہ اس سے زیادہ دیتے۔ سشرفا قبائل کی عزت ان کے درجہ کے مطابق کرتے۔

باوجود اس شفقت، ترحم اور مہربانی کے لوگوں کے دلوں پر آپؐ کی ہیبت اس قدر تھی کہ کوئی شخص نظر اٹھا کر روئے مبارک کو دیکھ نہیں سکتا تھا اور اس رعب وجلال کے ساتھ بھی آپؐ کی محفل مرغوب ترین شے اور دلوں کے لئے باعث تسلی تھی۔

رافت رحمت

آپؐ کی ذات نہ صرف اپنے اصحاب اور اُمت۔ بلکہ دنیا والوں کے لئے رحمت تھی۔ بدخواہوں اور دشمنوں کے ساتھ بھی آپؐ مہربانی سے پیش آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو رؤف اور رحیم کا خطاب دیا ہے اور رحمۃ اللعالمین فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک بار مدینہ میں مجھ پر کئی فاقے گذر گئے سوال کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ اس لئے اپنے گھر سے باہر نکل کر گذرگاہ میں بیٹھا کہ شاید کوئی راہ گیر دیکھ کر خود بخود میری حالت سمجھ جائے اور کچھ کھلا دے۔

اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ گزرے مگر سلام و جواب کے بعد آگے بڑھ گئے۔ میں نے جب یہ دیکھا تو ان کو بلا کر ایک آیت کے معنی پوچھے۔ مطلب صرف یہ تھا کہ وہ اس گفتگو میں میری حالت کا اندازہ کر لیں۔ ورنہ اس آیت کے معنی میں خود اچھی طرح جانتا تھا۔ انھوں نے مطلب بیان کر دیا۔ اور کوئی توجہ کئے بغیر جدھر جا رہے تھے چلے گئے۔

پھر حضرت عمرؓ نکلے ان کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی اور وہ بھی میری کیفیت کو نہ سمجھ سکے۔

تھوڑی دیر کے بعد رحمت عالم کا ادھر سے گذر ہوا۔ دور ہی سے مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ قریب آکر ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے گھر تک ساتھ لے گئے۔ ازواجِ مطہرات سے دریافت فرمایا کہ کھانے کی کوئی چیز ہے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ کچھ نہیں ہے صرف ایک پیالہ دودھ ہے جو فلاں شخص کے ہاں سے ہدیہ آیا ہے فرمایا کہ بھیجو جب وہ آیا تو میری طرف بڑھایا۔ میں نے کہا کہ جب تک حضورؐ نوش نہ فرمالیں میں نہیں پیوں گا۔ آپؐ نے چند گھونٹ پی لئے پھر مجھے عطا کیا۔

ہمیشہ اپنے اصحاب کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ کوئی کسی کی شکایت مجھ

تنگ نہ لائے تاکہ میں اطمینانِ قلب کے ساتھ سب سے ملوں اور کسی کی طرف سے کوئی خدشہ اور کدورت میرے دل میں نہ ہو۔

کیسی ہی خطا ہو کوئی کسی قسم کی معذرت کرتا اس کو قبول فرما لیتے۔

وفاءِ عہد

آپ نے فرمایا ہے کہ جو عہد کا پابند نہیں وہ بے دین ہے ابتداء سے آپ کا شیوہ وفاءِ عہد تھا۔ جو وعدہ یا پیمان کر لیتے اس کو پورا کرتے اور کبھی بھولتے نہیں تھے۔ دوست یا دشمن کسی سے جو عہد کر لیا اس کو ضرور پورا کیا۔

پاسِ مروّت

جس شخص سے ذرا سا بھی تعلق ہوتا اس کا خیال رکھتے۔ حنین کے قیدیوں میں حلیمہ دائی کی بیٹی شیماء گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ جب آپ کو اطلاع ہوئی تو ان کو بلایا۔ اپنی چادر بچھا کر ان کو بٹھایا اور دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ پھر بہت سے تحفے دے کر احترام کے ساتھ رخصت کیا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اکثر گھر میں جب کوئی اچھی چیز آتی تو حکم دیتے کہ اس کو لے جا کر فلاں عورت کو دے آؤ۔ کیونکہ خدیجہؓ اس کو عزیز رکھتی تھیں۔

ثویبہ ابو لہب کی لونڈی تھیں۔ انھوں نے بھی چند روز آنحضرتؐ کو دودھ پلایا تھا ان کے لئے ہر سال انعام اور جوڑا بھیجتے تھے۔ جب وہ انتقال کر گئیں تو دریافت فرمایا کہ ان کا کوئی وارث ہے۔ معلوم ہوا کہ نہیں ہے۔

نجاشی کے ہاں سے جب وفد آیا تو بذاتِ خود اہلِ وفد کی خدمت میں

مصروف ہوئے۔ صحابہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم جو موجود ہیں۔ فرمایا کہ ان لوگوں نے میرے مصیبت زدہ اصحاب کو راحت پہنچائی اور ان کو عزت کے ساتھ رکھا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان کے احسان کے عوض میں ان کی خدمت خود کروں۔

تواضع تواضع کی یہ کیفیت تھی کہ فقراء اور مساکین کے ساتھ بیٹھتے ان کی بیمار پرسی کے لئے جاتے۔ جب کوئی تعظیم کے لئے کھڑا ہوتا تو فرماتے کہ اہلِ عجم کی طرح تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہوا کرو۔ صحابہ میں ایسے مل جل کر بیٹھتے کہ اجنبی شخص امتیاز نہیں کر سکتا تھا کہ ان میں کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حجۃ الوداع کے سفر میں آپؐ کے اونٹ پر ایک ٹوٹا ہوا کجاوہ تھا جس پر ایک پرانی چادر پڑی ہوئی تھی۔ حالانکہ اسی حج میں سو جانوروں کی قربانی فرمائی۔

اسی تواضع کا اثر تھا کہ صحابہ کو منع فرمایا کہ مجھے یونس پر فضیلت نہ دو اور نہ موسیٰ علیہ السلام سے بڑھاؤ۔

ایک بار ایک شخص آپؐ کے سامنے آیا۔ رعبِ جلال کی وجہ سے کانپنے لگا۔ اس کی تسلی کے لئے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔

راستی آپؐ کے عدل و انصاف اور امانت و دیانت کے دشمن سے دشمن بھی قائل تھے۔ چنانچہ نبوت سے پہلے ہی امین کے لقب سے مشہور تھے

اور اس وقت بھی لوگ آپ کی خدمت میں آ کر اپنے جھگڑے فیصل کرتے تھے۔ آپؐ کی راست گوئی سے ابو جہل جیسے سخت دشمن کو بھی انکار نہ تھا۔

جب ابو سفیان سے جو فتح مکہ تک اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے، ہرقل نے بیت المقدس میں یہ سوال کیا کہ کیا اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کے اس دعوے سے قبل تم جھوٹا سمجھتے تھے تو انکو یہی جواب دینا پڑا کہ نہیں۔

وقار خارجہ بن زید نے کہا کہ آنحضرتؐ محفل میں ہمیشہ باوقار رہتے۔ بلا ضرورت کبھی کوئی بات نہ فرماتے۔ اگر کوئی ناپسندیدہ گفتگو کرتا تو رخ پھیر لیتے۔ آپؐ کی محفل میں کسی کی ہتک یا بلند آواز سے گفتگو نہیں ہوسکتی تھی۔ حاضرین اس طرح سر جھکائے رہتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ کسی کی شکایت سننی مکروہ سمجھتے تھے اور اگر کوئی کرتا بھی تھا تو اس کا اثر مطلق نہیں ہوتا تھا۔

الغرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم اوصاف اور اخلاقِ فاضلہ میں وہ رتبہ رکھتے جو آج تک دنیا کے کسی بڑے سے بڑے نبی کو بھی نصیب نہ ہوسکا۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ خود آپؐ کی مدح میں فرماتا ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝

اور بے شک تو خلق کے بہت بڑے درجے پر ہے۔

کسی انسان کی یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ آپؐ کے اس خلقِ عظیم کی پوری کیفیت

بیان کرسکے ہم نے صرف نصیحت حاصل کرنے کی غرض سے چند باتیں اخذ کرکے لکھ دی ہیں۔

آپؐ کے ان صفاتِ کمال کا یہ اثر ہوا کہ ہر قسم کی دشمنی اور عداوت کرنے کے بعد آخر کار اہلِ عرب آپؐ کی طرف جھکے اور اس دین کو جس کے مقابلے کے لئے انھوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی قبول کرلیا۔

اگر وہ معجزات جو آسمانی تائید سے آپؐ سے ظاہر ہوئے نہ بھی ہوتے تو بھی آپؐ کا یہ خلقِ عظیم آپؐ کے دعوے کے صدق کی بین دلیل تھا۔

بیتِ نبویؐ

مکہ میں آنحضرتؐ نے نبوت سے قبل ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا تھا۔ جب تک وہ زندہ رہیں اس وقت تک کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ ان کا انتقال ہجرت سے تین برس پہلے ہوا جب آپؐ کی عمر پچاس سال کی تھی۔ سوائے ابراہیم کے جو ماریہ قبطیہ کے شکم سے پیدا ہوئے۔ باقی آپؐ کی تمام اولاد حضرت خدیجہؓ سے تھی۔

سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے جو چار سال کی عمر میں مکہ میں انتقال کر گئے۔ انھیں کے نام سے آپؐ کی کنیت ابوالقاسم ہوئی۔ ان کے بعد زینب پھر عبداللہ جن کا لقب طیب و طاہر تھا۔ یہ بھی دو سال کی عمر میں گذر گئے۔ پھر رقیہ۔ اس کے بعد ام کلثوم اور پھر فاطمۃ الزہراؓ پیدا ہوئیں۔

زینب کا نکاح ہجرت سے پہلے ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص کے ساتھ ہوا۔ وہ برابر اپنے آبائی دین پر قائم رہے۔ جنگِ بدر میں جب گرفتار ہو کر آئے تو زینب نے مکہ سے فدیہ بھیجا جس میں حضرت خدیجہ کا دیا ہوا ہار تھا۔ وہ آنحضرتؐ

کی سفارش سے واپس کیا گیا اور ابوالعاص بلا فدیہ کے چھوڑ دیئے گئے۔ لیکن ان سے یہ عہد لیا گیا کہ مکہ واپس جاکر زینب کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دیں گے۔ چنانچہ انھوں نے جاکر زینب کو مدینہ بھیجدیا۔

فتح مکہ سے قبل وہ شام میں تجارت کرنے کے لئے گئے۔ وہاں سے واپس آکر جو اموال ان کے پاس بطور امانت کے رکھے ہوئے تھے ان کو ان کے مالکوں کے حوالہ کر کے مدینہ میں آکر مسلمان ہوئے۔ مورخوں کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عقد کو قائم رکھا اور بلا نکاح جدید کے زینب کو ان کے یہاں رخصت کر دیا۔

رقیہ اور ام کلثوم یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں اور فاطمہ کے ساتھ حضرت علی کا نکاح ہوا۔ ان میں سے سوائے فاطمہ کے کسی کی نسل نہیں چلی۔ ان کے چار بچے ہوئے۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح کئے۔ بظاہر اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب میں نکاح کا تعلق قبائل کی ہمدردی کا ایک بڑا ذریعہ تھا۔ مکہ میں حضرت خدیجہ کا نکاح فائدہ مند ثابت ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی اذیتوں اور تکلیفوں سے اس کی بدولت محفوظ رہتے تھے۔ چنانچہ مدینہ میں آکر قریش اور نیز عرب اور بنی اسرائیل کے بعض قوی ترین قبائل میں آپ نے شادیاں کیں۔

بعض بعض نکاحوں مثلاً حضرت جویریہ وزینب بنت جحش اور صفیہ وغیرہ کے خاص وجوہات تھے۔

علاوہ بریں اس وقت تک نکاح کی کوئی خاص حد معین نہیں کی گئی تھی اور جس وقت تحدید نازل ہوئی کہ چار سے زیادہ بیویاں نہ ہوں اس وقت چونکہ ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امہاتِ امت قرار پاچکی تھیں اور کسی کے ساتھ ان کا نکاح حلال نہیں تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت کے ساتھ اجازت دی گئی کہ وہ ان بیویوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہیں اور آئندہ نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی۔

ان امہات امت میں سے دو یعنی حضرت خدیجہ اور زینب ام المساکین آپؐ کی زندگی میں وفات پاگئیں۔ اور نو بیویوں کو چھوڑ کر خود آپؐ نے انتقال فرمایا۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) سودہؓ بنت زمعہ۔ یہ قریش کے قبیلہ بنی عامر سے تھیں۔ بیوہ ہو کر آپؐ کے نکاح میں آئیں۔ ان کے پہلے شوہر سکران بن عمرو تھے۔

(۲) حضرت عائشہؓ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔ آنحضرتؐ کی تمام بیویوں میں صرف یہ ہی ایک ایسی تھیں جو کنواری آپؐ کے عقد میں آئیں۔

(۳) حضرت حفصہؓ۔ بنت عمرؓ بن خطاب۔ یہ پہلے خنیس بن حذافہ کے نکاح میں تھیں بیوہ ہو گئیں تو آنحضرتؐ نے عقد کر لیا۔

(۴) ام سلمہؓ مخزومی۔ پہلے ابوسلمہ کی زوجیت میں تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد آپؐ کے نکاح میں آئیں۔

(۵) حضرت ام حبیبہؓ۔ بنت ابی سفیان۔ یہ عبیداللہ بن جحش کی بیوی تھیں۔ ان کے ساتھ حبشہ میں ہجرت کر گئیں۔ وہ وہاں وفات پا گئے۔ اس کے بعد نجاشی فرمانروائے حبشہ کی وکالت سے آنحضرت صلعم کا نکاح ان کے ساتھ ہوا۔

(۶) زینبؓ بنت جحش۔ یہ آنحضرت صلعم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپؐ نے ان کا نکاح اپنے متبنٰی زید بن حارثہ کے ساتھ کر دیا۔ چونکہ زید غلام تھے اس وجہ سے یہ ان کو حقیر سمجھتی تھیں۔ اور دونوں میں باہم موافقت نہیں رہتی تھی۔ زید ان کو طلاق دے کر چھٹکارا چاہتے تھے۔ لیکن آپ ان کو تاکید کرتے تھے کہ اللہ سے ڈرو اور طلاق نہ دو۔

عرب میں رواج تھا کہ وہ لوگ متبنٰی کی بیوی سے نکاح حرام سمجھتے تھے اسلام میں متبنٰی چونکہ کوئی چیز نہیں ہے اس لئے اس رسم کو مٹانا ضروری تھا اور اس کی صورت یہی تھی کہ زید جس وقت طلاق دیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زینب کے ساتھ نکاح کر لیں۔ لیکن آپؐ عرب میں بدنامی کے خوف سے ڈرتے تھے۔ اس لئے زید کو طلاق کا مشورہ نہیں دیتے تھے۔ اسی وجہ سے کسی قدر عتاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ

عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ ط فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ط

اور یاد کرو جب تم سمجھا رہے تھے اس شخص کو جس پر اللہ نے انعام کیا اور تم پر بھی انعام کیا کہ تو اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور اللہ کا خوف کر اور تم اس بات کو دل میں چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ اور لوگوں سے تم ڈرتے تھے۔ حالانکہ اللہ ہی اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ پھر جب زید نے اس کو چھوڑ دیا تو ہم نے تمہارے ساتھ اس کو بیاہ دیا۔ تاکہ مسلمانوں کے لئے مالک جب اپنی بیویوں کو چھوڑ دیں تو ان کو (ان بیویوں سے نکاح کرنے میں) کوئی ہرج نہ ہو اور اللہ کا حکم تو ہو کر ہی رہتا ہے۔

یعنی ان کے درمیان تنازع سخت تھی اور مفارقت ضروری تھی۔ لیکن آنحضرتؐ

اپنی بدنامی کے خوف سے رد کتے تھے۔ حالانکہ اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہونا چاہیئے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ کو پورا کیا۔ یعنی جب زید نے زینب کو طلاق دے دی تو آنحضرتؐ سے ان کا نکاح ہوا۔ اس سے عرب کی ایک نامعقول رسم مٹادی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد خود متبنّٰی کے قاعدہ کو منہدم کر دیا۔ اور حکم دیا کہ:۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ

ان کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو۔ یہی اللہ کے نزدیک زیادہ درست ہے۔

(۷) جویریہؓ۔ یہ بنی مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں۔ جنگ میں گرفتار ہوکر آئی تھیں۔ ان کے نکاح کی بدولت ان کا تمام قبیلہ آزاد ہو گیا۔ اور ان کے باپ اسلام لائے۔

(۸) میمونہ بنت حارث۔ یہ پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے عقد میں تھیں۔ بیوہ ہوکر آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں۔

(۹) صفیہ۔ حیی بن اخطب۔ قبیلہ یہود کے سردار کی بیٹی اور کنانہ ابن ابی الحقیق کی بیوی تھیں۔ اس کے قتل کے بعد آنحضرتؐ کے عقد میں آئیں۔

ان ازواج کے علاوہ ماریہ قبطیہ اُم ولد تھیں جن کے بطن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم پیدا ہوئے تھے اور بچپن ہی میں مدینہ میں انتقال کر گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تمام ازواج اُمہات المومنین کہی جاتی ہیں۔ یہ لقب قرآن میں ان کو دیا گیا ہے۔

ان ازواج کی زندگی نہایت پاک اور مقدس زندگی تھی اور ان کی روایات سے بہت کچھ خانگی حالات آنحضرتؐ کے ہم تک پہنچے ہیں۔ خاص کر حضرت عائشہؓ سے جو عہد صحابہ میں علم و فضل میں بہت امتیاز رکھتی تھیں۔

وفات

حج وداع سے واپسی کے بعد ماہ صفر سنہ ۱۱ھ میں سرورِ عالم بخار میں مبتلا ہوئے۔ ازواج سے اجازت لے کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں جو مسجد نبوی سے ملا تھا آ گئے۔

ایک روز بیماری ہی کے زمانے میں مسجد کے منبر پر بیٹھ کر صحابہؓ کو تلقین فرمائی اور کہا کہ:

اے مہاجرین! انصار کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔ لوگ بڑھتے جا رہے ہیں اور انصار اسی حالت میں ہیں۔ یہی لوگ میرے ابتدائی حامی ہیں۔ انھیں کے یہاں میں نے پناہ لی۔ ان

میں سے جو نیک ہو اس کے اوپر احسان کرنا۔ اور جو خطا کار ہو اس
سے درگذر کرنا۔ میرے اہل بیت کی حرمت کا بھی خیال رکھنا۔
اور راہِ تقویٰ پر ثابت قدم رہنا۔
اس زمانہ میں حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے
رہیں۔

دورانِ مرض میں لوگوں کو اکثر وصیتیں اور نصیحتیں فرماتے رہتے تھے
اور اس بات کو بار بار دہراتے تھے کہ یہود اور نصاریٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس
وجہ سے ملعون کیا کہ ان میں سے جب کوئی بزرگ مرجاتا تھا تو اس کی قبر کو
وہ لوگ عبادت گاہ بنا لیتے تھے۔ دیکھو! تم میری قبر کو بت مت بنانا اور
مشرکوں کی طرح اس کی پرستش نہ کرنا۔

مرض کی شدت برابر بڑھتی چلی گئی۔ آخر ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ یوم
دوشنبہ مطابق ۸ جون سنہ ۶۳۲ء کو شام کے وقت تریسٹھ سال قمری اس
دنیا میں گذار کر وہ روحِ اعظمؐ عالمِ علوی کو راہی ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کی عظمت کا اس
سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے قوی دل اور
عالی حوصلہ شخص کو اس بات کا یقین نہیں آتا تھا کہ موت کو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم پر دسترس ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ تلوار لئے ہوئے بیتابانہ

ادھر ادھر دوڑتے تھے اور کہتے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزر گئے ہیں میں اس کو جان سے مار ڈالوں گا۔

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف لائے تو مسجد میں جہاں مسلمانوں کا مجمع تھا جاکر انھوں نے آپؐ کی وفات کا اعلان کیا اور فرمایا کہ:۔

اَيُّهَا النَّاسُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّهٗ قَدْ
مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّهٗ حَيٌّ لَا
يَمُوْتُ ط

لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا۔ وہ جان لے کہ وہ تو گذر گئے اور جو اللہ کو پوجتا تھا تو اللہ زندہ ہے وہ مرنے والا نہیں ہے۔

اس کے بعد اس آیت کو پڑھا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ط قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ
اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ
يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى
اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ط

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں ہیں مگر ایک رسول۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر گئے۔ کیا اگر وہ مر جائیں تو تم الٹے

پاؤں پھر جاؤ گے؟ جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ
اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ شکر گذاروں کو اللہ بدلہ دیگا۔

یہ سُنکر حضرت عمرؓ کو آپؐ کی وفات کا یقین ہوا۔ اور اسی وقت صدمہ کی وجہ سے گر پڑے اس کے بعد صحابہ سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہوئے۔ وہاں حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر لوگوں نے خلافت کی بیعت کی۔

سہ شنبہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا۔ تین چادروں کا کفن پہنا کر اسی حجرے میں جس میں انتقال فرمایا تھا رکھ دیئے گئے۔ آپؐ کی وصیت کے مطابق سب لوگ اسی حجرے میں جا کر نماز جنازہ فرداً فرداً پڑھتے تھے۔ چہارشنبہ کی آدھی رات تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد اسی جگہ دفن کیے گئے۔

صلی اللہ علیہ وسلم

اتحاد پریس بل روڈ لاہور باہتمام شیخ وحید الدین
پرنٹر

علامہ احمد امین مصری (مرحوم)

کی علمی و تاریخی کاوشوں کا شاہکار!

—— اور ——

"اسلام کی سرگزشت" کے سلسلۂ دراز کی پہلی کڑی

فجر الاسلام

(جسے مولانا عمر احمد صاحب عثمانی نے اردو زبان کا لباس پہنایا)

اس دور کی علمی حرکات اور تہذیبی کیفیات کا تفصیلی جائزہ جب آفتاب اسلام کی جلوہ باریوں نے بزم انسانی کو منور کیا۔

نو سو صفحات —— قیمت آٹھ روپے

ملنے کا پتہ:- مکتبہ طلوع اسلام ۲۷- بی- شاہ عالم مارکیٹ- لاہور

قرآنی فکر و بصیرت کی روشنی میں

انسانی زندگی کے اہم ترین مسائل کا نکھرا ہوا حل!

سلیم کے نام خطوط

از ——— پرویز

(تین جلدوں میں)

یہ حقیقت کشا خطوط قلبِ سلیم میں ابھرتے ہوئے سینکڑوں سوالات کا تفصیلی جواب پیش کرتے ہیں اور نوجوانانِ ملت کے قلب و نظر کے لئے ایک صحیح و صالح انقلاب کی جاں نواز تحریک ہیں۔

تینوں جلدیں خوبصورت ٹائپ میں چھپی ہیں۔ مضبوط جلد حسین گرد پوش

قیمت جلد اول۔ آٹھ روپے۔ جلد دوم۔ چھ روپے۔ جلد سوم۔ چھ روپے

ملنے کا پتہ۔ مکتبہ طلوعِ اسلام ۲۷۔ بی۔ شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور

بصیرت افروز لٹریچر

اسبابِ زوالِ اُمت: (پرویز) ہم ذلیل کیوں ہیں؟ مجلد دو روپے

اسلامی معاشرت: (پرویز) روزمرہ کی زندگی کے لئے قرآنی احکام، مجلد دو روپے

اقبال اور قرآن: قرآن کی تعلیم، اقبال کا فلسفہ اور پرویز کا قلم۔ قیمت دو روپے

طاہرہ کے نام: (پرویز) عورتوں سے متعلق قرآنی احکام اور تعلیم۔ سلیس اور شگفتہ انداز میں۔ جلد اول مجلد دو روپے۔ جلد دوم مجلد ۲ روپے

سلیم کے نام: (پرویز) نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کے دل میں پیدا ہونیوالے شکوک کے اطمینان بخش جوابات۔ مجلد جلد اول ۸ روپے، دوم ۶ روپے، سوم ۶ روپے

اسلام میں قانون سازی کا اصول: نامور مقننین اور مدبرین کے خیالات ملوکار قیمت ۲ روپے

نظامِ ربوبیت: (پرویز) نظامِ سرمایہ داری اور کمیونزم دونوں کے بجائے قرآن کا معاشی نظام مجلد ۴ روپے

لغات القرآن: (پرویز) قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کا مستند مفہوم اور قرآنی حقائق کا انسائیکلوپیڈیا چار جلدوں میں، قیمت فی جلد پندرہ روپے۔

فجر الاسلام (اردو): (علامہ محمد امین مصری) اسلام کے اولین دور کی محققانہ سرگذشت، قیمت ۸ روپے

ابلیس و آدم: (پرویز) آدم۔ انسان۔ ملائکہ۔ جن۔ ابلیس۔ شیطان۔ وحی۔ رسالت مجلد ۸ روپے

من و یزداں: (پرویز) خدا کیا ہے؟ اُس کا انسان سے تعلق کیا ہے مجلد ۱۰ روپے

جوئے نور: (پرویز) حضرات انبیائے کرام اور ان کی اقوام کی زریں داستان از حضرت نوحؑ تا حضرت شعیبؑ۔ قیمت مجلد چھ روپے۔

برقِ طور: (پرویز) داستانِ بنی اسرائیل۔ قوموں کے عروج و زوال کے ابدی قوانین مجلد ۶ روپے

شعلۂ مستور: (پرویز) حضرت عیسیٰ کے کوائفِ حیات تحقیق جدید اور قرآن کی روشنی میں، قیمت مجلد چھ روپے

معراجِ انسانیت: (پرویز) حضور خاتم النبیینؐ کی روح پرور حیاتِ طیبہ قرآن کے آئینہ میں، قیمت مجلد بیس (۲۰) روپے۔

انسان نے کیا سوچا: (پرویز) کائنات، اخلاقیات، سیاست، معاشرت، معیشت اور مذہب کے متعلق انسانی فکر کی نادر کہانی۔ قیمت مجلد ۱۲ روپے

الفتنۃ الکبریٰ (اردو): (ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری) حضرت عثمانؓ کے زمانہ کی فتنہ سامانیوں کی داستان اور ان کا اصلی باعث (قیمت مجلد ۶ روپے)

تاریخ الامت: علامہ اسلم جیراجپوری مرحوم کا سلسلہ تاریخ، کامل آٹھ جلدوں میں مکمل سیٹ ۱۸ روپے

میزان پبلیکیشنز لمیٹڈ

۲۷۔ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور